بسم اللہ الرحمن الرحیم

متاعِ زیست

متاعِ زیست

حبیب الرحمن

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین و اہتمام اشاعت

خالد شریف

ضابطہ

اشاعت	:	2025
ناشر	:	ماورا پبلشرز، لاہور
سرورق	:	ندیم براس
کمپوزنگ	:	طارق محمود (0334-9890211)
قیمت	:	-/1500 روپے USD 30

خوبصورت کتب کی اشاعت کے لیے رابطہ

MAVRA PUBLISHERS
60-The Mall, Lahore.

خالد شریف

Mob: 0300-4020955
e-mail: **mavrabooks@yahoo.com**

انتساب

بصد خلوص میرے ماموں

محمد امین منیر مرحوم

کے نام

جو ایک پیکرِ عجز و انکسار تھے اور جن سے زیادہ شرافت اور انسانی ہمدردی میں نے کسی میں نہیں دیکھی۔

ترتیب

غزلیں

☆☆☆

پیش لفظ

شاعر اپنی تخلیق میں خدا کی مدد کا محتاج ہے۔ شاعری کا تعلق انسانی فطرت سے ہے نہ کہ علم سے۔ بہت سے عظیم شعرا دنیاوی علم سے نا آشنا تھے۔ شعر انسانی دل کے شعلہ سے پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔ اس کو غالب اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

ع آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

پہلی الہامی کتب پڑھنے سے انسان خدا تعالیٰ کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ صرف قرآن ہی تھا جس نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے آگاہ کیا۔ اس آگاہی کا ایک مقصد تو خدا شناسی تھا اور دوسرا یہ کہ انسان اپنے محدود دائرے میں اِن صفات کو اپنانے کی کوشش کرے اور فلاح پائے۔ ایک شاعر اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے تین کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صفات اُس کے خالقیت اور صورت گری اور عدل کی صفات ہیں۔

خدا کی تخلیقی قدرتوں پر غور کیا جائے تو انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے۔ زمینی کیڑوں کی لاکھوں اقسام ہیں اور آئے دن نئی اقسام دریافت ہو رہی ہیں۔ کیڑوں سے بھی نیچے ایسے اجرام ہیں جن کا طبی سائنس اب آ کر پتہ چلا رہی ہے اور آئے دن نئے نئے اجرام دریافت ہو رہے ہیں۔ سمندروں کی تہہ میں بے شمار قسم کے جاندار ہیں ہمارا علم شاید اس کے ایک فیصد کو بھی نہیں جانتا۔ یہی حال نباتاتی تخلیق کا ہے۔ ہماری عقل کو وہ رسائی ہی نہیں دی گئی کہ اُس کی قدرتوں کا احاطہ کر سکے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ مخلوق یعنی انسانی عقل اپنے خالق کی قدرتوں کی وسعت کا اندازہ کر سکے۔ غرض جس خالق کی قدرتوں کا انسانی عقل اندازہ کر سکتی ہے وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ خدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اور اس کی صفات کی انتہا مخلوق کے ادراک کی حدوں سے باہر ہو۔ اگر مخلوق اس کی بڑائی اور عظمت اور اس کی قدرتوں کی وسعت کا ادراک تو دور کی بات صرف اندازہ بھی کر سکتی ہو تو وہ خدا نہیں کہلا سکتا۔

اسی طرح خدا مصوّر ہے۔ خدا خود خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس نے خوبصورت کائنات بنائی ہے۔ دنیا کی خوبصورتی دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر ہم اُس کی مصوّری کے نظارے دیکھتے ہیں۔ نباتات کو دیکھیں یا حیوانات کو یا جمادات کو۔ یہ خوبصورتی ہمیں اُس کی ہر تخلیق میں نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

''وہی ہے جو رحموں میں جیسی چاہتا ہے تمہیں صورت دے دیتا ہے۔'' (۳:۶)

کائنات کی ہر شے میں ایک حیرت انگیز عدل پایا جاتا ہے۔ سورج کے گرد جو سیارے گھوم رہے ہیں اگر ان کی کششِ ثقل ذرا بھی زیادہ یا کم ہو جائے تو وہ سیارے اپنے مدار سے نکل کر یا تو خلا میں گم ہو جائیں یا سورج سے جا ٹکرائیں۔ اسی طرح انسانی جسم میں ایک ایسا توازن اور عدل کام کر رہا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسولین کو ہی لے لیں۔ اس کی ذرا سی زیادتی سے خون میں شکر اتنی کم ہو سکتی ہے کہ انسان کی موت واقع ہو جائے اور اس کی کمی ذیابیطس کا موجب بن جاتی ہے۔ اس توازن کا تعلق خدا کی عدل کی صفت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

''وہی ہے جس نے سات آسمانوں کو طبقہ در طبقہ پیدا کیا۔ تو رحمان خدا کی تخلیق میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا۔ پس نظر دوڑا۔ کیا تو کوئی رخنہ دیکھ سکتا ہے۔ نظر پھر دوسری مرتبہ دوڑا۔ تیری طرف نظر ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہو گی۔'' (۳:۶۷)

شاعر بھی خدا کی عدل کی صفت سے کچھ حصہ پاتے ہیں بلکہ اُن کے کلام میں توازن اور عدل اس قدر حاوی ہوتا ہے کہ شعر کے ایک لفظ کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنانے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل چاہیے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے اس کتاب کے شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو بشری کمزوری کا نتیجہ سمجھا جائے۔

حبیب الرحمن
ریجائنہ (کینیڈا)

آج غم پرستوں کو اِک صلائے عام ہے
گھر پہ جشن گریہ کا پھر سے اہتمام ہے

دِلربا ہے وہ مرا جس کے ہونٹوں پر ہنسی
ہاتھ میں لیے مگر تیغِ بے نیام ہے

کچھ پتہ نہیں کہاں کس طرف یہ جائے گی
رخشِ عمر دوستو موجِ بے لگام ہے

جس پرندے کو بہت فخر تھا اُڑان پر
دیکھنا ذرا وہی آج زیرِ دام ہے

ناتوانگی میں بھی ہے شباب کی اُمنگ
وہ نسیمِ صبح تھی یہ سوادِ شام ہے

جانے کیوں دیا انہیں بے نقاب آج پھر
جانتے بھی ہو انہیں شوقِ قتلِ عام ہے

میکدہ گیا تھا وہ پند و وعظ کرنے کو
دیکھا در سے نکلا جب شیخ مست گام ہے

زندگی گزر گئی تو سمجھ میں آئی بات
آرزوئے وصل بس اک خیالِ خام ہے

۱۲ جون ۲۰۲۴

آج پھر گزرا یہاں سے موجہِ صرصر کوئی
ڈھونڈتا ہے گھونسلے کو جو ہُوا بے گھر کوئی

کیوں دیا تھا دل مجھے پوچھا کسی نے تو کہا
ہم اسے دے دیتے ہوتا آپ سے بہتر کوئی

دیتے ہو جھوٹی تسلی کیوں مجھے تم دوستو
تم کہو زخمِ طلب سے کب ہُوا جانبر کوئی

ہوسکی پوری نہ خواہش اس ستمگر کی کبھی
خامشی سے سہہ لیا جب بھی لگا نشتر کوئی

تھا نشیمن وہ مرا بجلی گری تھی جس پہ کل
سن کے بولے وہ کہ ہوگا سوختہ اختر کوئی

اِک زمانہ ہو گیا ہے ارتعاشِ شوق کو
اب بھی آتا ہے تصوّر میں مگر اکثر کوئی

بے حسی دیکھی تری اے زندگی ہم نے یہاں
کوئی ہے گوہر بدست اور مانگتا در در کوئی

کیوں ہوئے جاتے ہو ناامید تم اے عاشقو
پہلے کب خالی گئی آہِ دلِ مضطر کوئی

۱۷جون۲۰۲۳

آنکھوں میں اِک گھنیری گھٹا ہے
پھر مجھے احتیاجِ دعا ہے

دوست پند و نصائح کو آئے
جوش سے ہر کوئی لب کشا ہے

جب چھوا لب کو جامِ عدم نے
تو یہ جانا کہ آبِ بقا ہے

کیوں نہ تب ہی یقیں کر لیا تھا
جب سنا تھا کہ وہ بے وفا ہے

کہنا دشتِ جنوں کے گلوں کو
میری ہر سانس موجِ صبا ہے

جس کی فرقت میں مرتا ہے سالک
اس کا آنا ہی ردِّ قضا ہے

۱۸ جون ۲۰۲۳

آپ سے شرحِ آرزو کرتے
دل کہاں ورنہ جستجو کرتے

کہہ نہ پاتے ہمیں جو کہنا تھا
ہم اگر اُن سے گفتگو کرتے

چاک دامن کو سی لیا ہے اب
کب تلک یہ جگر لہو کرتے

حسن پر ناز وہ نہ کرتے پھر
ہم جو آئینہ روبرو کرتے

وقت تو بس گزارتے ہیں اب
خواہشِ درد کو نمو کرتے

وعدہِ وصل گر وفا ہوتا
قطرہِ اشک سے وضو کرتے

اعتبارِ بہار ہوتا گر
تو تمنائے رنگ و بو کرتے

اُٹھ گیا تیری بزم سے سالکؔ
آرزوئے خم و سبو کرتے

۲۹ جون ۲۰۲۴

اگر ہے غارتِ ایمان اُس کی انگڑائی
تو تابِ دید ہے تسکینِ ذوقِ بینائی

مجھے بتائے کوئی میری مشکلوں کا حل
ہے شوقِ وصل مجھے اُن کو خوفِ رسوائی

ملا جواب مجھے نام پوچھنے پر یہ
جہانِ عام میں کہتے ہیں مجھ کو ہرجائی

شبِ فراق اسے آنسوؤں سے سینچے گی
جو آگ سینے میں تیری نظر نے بھڑکائی

فریب چشمِ تصوّر سے دے دیا دل کو
نگاہِ شوق اگر دیکھنے کو للچائی

گزر رہی ہے یہاں پر خیالِ جاناں میں
مجھے عزیز ہے یارو یہ کُنجِ تنہائی

کیا ہے عشق نے رُسوا کسی کو عالم میں
تو تھی کسی کے نصیبوں میں آبلہ پائی

گنوا دی عمرِ عزیز انتظار میں سالکؔ
دیا نہیں کسی نے درسِ ناشکیبائی

۱۱/اکتوبر ۲۰۲۲

ایک گل کھلا نہیں موسمِ بہار میں
یوں ہی رُت گزر گئی اُس کے انتظار میں

نامہ بر نہیں کوئی جس کے ہاتھ بھیجتا
اشک خوں فشاں مرے نارسا دیار میں

ممکنات میں نہیں نقطۂ وصال یاں
تم الگ مدار میں مَیں الگ مدار میں

دیکھتا رہا انہیں رات بھر جو خواب میں
مَیں پیے بغیر ہی آ گیا خمار میں

غمکدہ ہے دل مرا یاد اُن کی غم فزا
بھولنا نہیں مگر دل کے اختیار میں

آ گیا وہ نامہ تو کھولنے کا اب مگر
حوصلہ نہیں رہا اِس دلِ فگار میں

یاد کیوں کریں اُسے تھا کبھی جو یار اک
اب رہا نہیں مگر وہ کسی شمار میں

۱۹فروری ۲۰۲۳

اِک نوردِ شوق کا ہے یہ توشۂ سفر
ایک آہِ شعلہ بار ایک نالۂ سحر

بس کچھ اِس طرح سے ہی زندگی گزر گئی
آندھیوں کے رحم پر اِک چراغِ رہ گزر

مجھ کو تو پتہ ہی ہے اُس نے کیا کہا ہوگا
ڈر رہا ہے کہنے سے جو مجھے یہ نامہ بر

دیکھتا ہے اب مجھے درِ قفس کا کھول کر
کیا اُڑے گا پنچھی جو ہو شکستہ بال و پَر

گر کوئی ہے بے خبر تو وہی ستم شعار
دوست یار آئے جو سب گئے بہ چشمِ تر

بزمِ حسن و عشق میں تم نے کیوں قدم رکھا
عاشقانِ زار جب پھر رہے ہیں دربدر

دام میں نہ آئیو تم ادائے عشق کے
کر رہا ہوں باخبر ہے فریب سربسر

پھر سے جی اُٹھا کوئی جان سے گیا کوئی
ہے پیامِ حشر وہ ایک جنبشِ نظر

۳۱؍اگست ۲۰۲۴

اجنبی سا چہرہ اک جب بھی دیکھتا ہوں میں
گمشدہ جوانی کو پھر سے ڈھونڈتا ہوں میں

یاد اک ستاتی ہے جب تری مرے محبوب
لینے کو تری خوشبو پھول سونگھتا ہوں میں

صبر آزماتے ہیں جان کر ستاتے ہیں
رات وہ بتاتے ہیں دن کو پوچھتا ہوں میں

دوستوں کو دیتا ہوں اک فریب دن کو پر
سوگوار راتوں میں تنہا گھومتا ہوں میں

پھر وہاں نہ جانے کی کھائی تھی قسم لیکن
بارہا نہ جانے کیوں راہ بھولتا ہوں میں

ڈوبنے سے کیوں مجھ کو ناخدا ڈراتا ہے
آنسوؤں کے دریا میں روز ڈوبتا ہوں میں

تجھ کو تو نہیں پوجا اے صنم کبھی میں نے
ہے وہی خدا میرا جس کو پوجتا ہوں میں

۳۰ جنوری ۲۰۲۳

اے خدا رونقِ ویرانہ بنا دے مجھ کو
دردِ مہجوری کا پیمانہ بنا دے مجھ کو

عمر کٹ جائے مری چین سے یارب گر تُو
چھین لے حافظہ دیوانہ بنا دے مجھ کو

سحرانگیز نگاہیں ہیں زبانِ زدِ عام
اک نظر ڈال کے مستانہ بنا دے مجھ کو

یادِ رفتہ مجھے جینے نہیں دیتی یارب
فہم و ادراک سے بیگانہ بنا دے مجھ کو

ہے یہی شہرِ دل و جاں کی تمنا اب تو
زلفِ پرپیچ کا افسانہ بنا دے مجھ کو

آتشِ شوق کو ہے گرمیِ صحبت کی چاہ
شمعِ سوزاں اسے، پروانہ بنا دے مجھ کو

خرقۂ زہد مجھے راس نہیں آتا ہے
قابلِ محفلِ رندانہ بنا دے مجھ کو

۲۳ اگست ۲۰۲۴

بتا کے بھی نہیں گیا کہ لوٹ کر کب آئے گا
مجھے یہ محشرِ خیال رات بھر جگائے گا

کریں ہیں پند و وعظ زاہدانِ شہر آج پھر
کہو نہ جس نے پی کبھی وہ لطف کیا بتائے گا

بھٹکنا ہی لکھا ہے گر نصیبِ بُوئے عشق میں
تو پھر وہ بے خودیِ عشق کب تلک چھپائے گا

وہاں جفا پہ زعم ہے غرورِ عشق کو اگر
یہاں رہا یہ انتظار کب ہمیں منائے گا

اے عاشقِ تباہ حال کیوں کرے ہو شکوہ اب
کہا بھی تھا کہ روگ یہ تمھیں لہو رُلائے گا

غمِ فراق میں گزر گئے جہاں سے جس کے ہم
وہی مزار پر مرے دیے کی لو اُٹھائے گا

متاعِ دردِ عشق کو ٹھکانہ چاہیے کوئی
رہا نہ دل ہی پاس جب تو غم کہاں سمائے گا

۱۰ اگست ۲۰۲۴

بزمِ حسن و عشق میں درد بھی ضرور تھا
دل کو کیوں سزا ملی آنکھ کا قصور تھا

حسن دیرپا نہیں پھر کہو کہاں گیا
جس پہ آپ کو کبھی اس قدر غرور تھا

کیوں کرے ہو بات اب عشق و عاشقی کی تم
ہم نے بھی کِیا مگر عقل کا فتور تھا

پوچھتے ہو کیا مجھے تم شبِ فراق کا
تھا جگر کباب اور قلب ناصبور تھا

انتظارِ یار میں رات یوں گزر گئی
زمزمہ تھا درد کا اک عجب سرور تھا

اک خرامِ ناز تھا اِک نگاہِ مست تھی
کیا بتاؤں میں کہ کیا فتنۂ نشور تھا

لو سکونِ دائمی مل گیا مجھے بھی آج
شامِ زندگی ہوئی تو تھکن سے چُور تھا

۱۰ فروری ۲۰۲۴

بھول سمجھ کے ہم نے وہ رنگِ حنا بھلا دیا
دل پہ جو نقش ثبت تھا آج اسے مٹا دیا

چاہیے کنجِ عافیت شور و شغب سے دور اک
دم لے ذرا اے زندگی تُو نے مجھے تھکا دیا

ذکر ہوا تھا یار کا آپ کی انجمن میں جب
عہدِ کہن کی یاد نے مجھ کو لہو رُلا دیا

آئی نہ جب مراد بر لذّتِ دید کی تو پھر
ہم نے خیالِ یار سے بابِ ہوس سجا دیا

مجھ کو طلب جفا کی ہے بانیِ جور آپ ہیں
شوقِ ستم ہُوا کبھی ہاتھ میں دل تھما دیا

موت کو جب لگا لیا ہم نے گلے سے اے نفس
مجھ پہ تھا قرض سانس کا آج اسے چکا دیا

۶ نومبر ۲۰۲۲

چاہتوں کے شہر میں آنسو ہوئے ارزاں بہت
اب یہاں پر دِکھتے ہیں گلزار کم زنداں بہت

تُو ہوا افضل جہاں میں پر ذرا کرتوت دیکھ
کم وہیں ہے آدمیّت ہیں جہاں انساں بہت

جب کبھی بھی رہنما کی جستجو کی تو ملے
کم یہاں اہلِ خرد اور کودکِ ناداں بہت

دردِ دل ہے لادوا ہم کو ہُوا معلوم تب
کرچکے جب دردِ پیہم کی دوا درماں بہت

دیکھ کر چلنا ذرا اے اجنبی اس شہر میں
ہیں الجھنے کو یہاں پر کاکلِ پیچاں بہت

کاروانِ رفتگاں سے رونقِ بازار تھی
ہو گیا ہے شہرِ دل ان کے بِنا ویراں بہت

گوشِ عبرت سے سنو اے عاشقانِ زار تم
کام تھا دشوار وہ سمجھا جسے آساں بہت

۱۷ اپریل ۲۰۲۳

چلے سحر کو اگر شام لوٹتے رہے ہم
رکے نہیں وہ مگر جن کو روکتے رہے ہم

جنھوں نے کھائی تھی سوگند جان دینے کی
وہ دیکھتے ہی رہے اور ڈوبتے رہے ہم

بڑھا جو جوشِ جنوں تو ہوئے ہم آوارہ
بہ پائے وسعتِ صحرا کو ناپتے رہے ہم

وہ گل اجڑ گئے خوفِ خزاں سے بعد مرے
لہو سے اپنے جنھیں روز سینچتے رہے ہم

تھا حوصلہ ہی نہیں حالِ دل بتاتے کیا
بے جا نوشتۂ قسمت کو کوستے رہے ہم

نہیں پتہ کہ شکایت انھیں ہوئی تو کیوں
خفا تھے ایسے کہ بس ہاتھ جوڑتے رہے ہم

رہے کبھی بھی نہیں دور از خیال مگر
انھیں خبر ہی نہیں جن کو سوچتے رہے ہم

۱۴ نومبر ۲۰۲۳

چارۂ غمِ حیات گر ہے مرگِ ناگہاں
تو ہو آرزو تری کیوں اے عمرِ جاوداں

کیوں کہوں مکاں اسے ہو نہ گر مکیں وہاں
پا تلے زمین ہے سر پہ ایک آسماں

زندگی گزار دی یاد میں اسی کی پھر
جس پہ بھی پڑی کبھی اک نگاہِ مہرباں

ناتمام ہی رہی ایک آرزو مری
ہو مری جبین اور تیرا سنگِ آستاں

مارتا ہے اک خیال وقتِ مرگ بھی مجھے
عمر بھر کی جستجو صرفِ سعیِ رائگاں

مجھ کو عشق ہوگیا اُس ستم ظریف سے
دے عجب سرور اک جس کو قتلِ عاشقاں

ختم اک ہُوا نہیں سر پہ دوسرا پڑا
زندگی یہی تو ہے غم کا بحرِ بے کراں

کر رہا ہوں طے سفر زیست کا اسی طرح
جیسے دشت میں کوئی یوسفِ بے کارواں

قتل گاہ لے گئے جرمِ عاشقی میں جب
تھا گلے میں طوق تو پاؤں میں تھیں بیڑیاں

۳۱دسمبر ۲۰۲۲

چشمِ مشتاق کی خطائیں
اب قصۂ عشق کیا سنائیں

دیکھو اٹھکھیلیاں صبا کی
لے زلفِ یار کی بلائیں

جب بھی اُن کا خیال آیا
دستک دینے لگیں ہوائیں

مسکن میں روشنی نہیں تو
آؤ ہم تیرگی سجائیں

فرصت پائی غم و الم سے
دستِ قاتل کو دو دعائیں

مشکل تو تھی گزر گئی اب
وہ صدمۂ ہجر کیا بتائیں

۲۴اگست ۲۰۲۴

چشمِ شیدا میں آس ہے آج
رازِ نہاں بے لباس ہے آج

پھر قید ہوا ہے مجرمِ عشق
دالانِ صنم اُداس ہے آج

رہنے دو خیالِ یار میں مست
تم سے یہی التماس ہے آج

پنہاں جو ہوا تھا کل نظر سے
لگتا ہے کہ آس پاس ہے آج

بیٹھے رہو میرے سامنے تم
نظارہ کناں کو پیاس ہے آج

سمجھا نہ کوئی ادائیں اُن کی
پھر کون اداشناس ہے آج

فرقت کے خیال سے عزیزو
ہر شخص ہی بدحواس ہے آج

۱۳۱اگست ۲۰۲۲

چہرے سے نقاب اُٹھا دیکھے فتنے محشر کے
آ گیا حجاب آڑے تکتے کیا نظر بھر کے

جا کنارِ دریا پر محفلِ چراغاں دیکھ
داغ دیکھنے ہوں گر تُونے قلبِ مضطر کے

شوق آزمانے کو کوچۂ صنم کیوں ہو
ہم کو شوقِ رسوائی ہم فقیر در در کے

کیوں کریں کسی کو پھر رہنما کہو لوگو
راہزن ملا جو بھی بھیس میں تھا رہبر کے

دوست ہو کوئی ایسا زہرِ ناب دے مجھ کو
یار کے بنا یارو جی رہے ہیں مر مر کے

کیا ستم ظریفی ہے گھونپ جب دیا خنجر
دیکھتا ہے آ کر پھر دل پہ زخم خنجر کے

ہو چمن طرازی کیوں نذر ہوگئے کل جب
گھونسلے کے تنکے سب اک ہوائے صرصر کے

۱۲۱اپریل ۲۰۲۳

چھیڑتے ہیں زخموں کو روز نوکِ نشتر سے
دیتے ہیں تسلی ہم دل کو یادِ دلبر سے

رِندِ لم یزل نے جب چشمِ مست سے پی لی
تو پیے گا کیوں پھر وہ اک چھلکتے ساغر سے

بوریا بچھاتے ہیں آستان پر تیرے
دلربا اٹھیں گے ہم اب کبھی نہیں در سے

بے دریغ بولا وہ ہوں جفاطلب کب سے
چاہیے تجھے کیا جب پوچھا قلبِ مضطر سے

باغبان سے پوچھو کیوں چمن کیا غارت
کچھ گلہ نہیں ہم کو برق و بادِ صرصر سے

دیکھنے گئے ہم بھی اک مقابلہ تھا جو
آج تابِ عارض کا آفتابِ محشر سے

بے خودی کے عالم میں رہنے دو مجھے یارو
سپنوں کو نہ چھینو تم اک گدائے بے گھر سے

۲۱ فروری ۲۰۲۴

چھپائے رکھی آہِ سوزاں کسی نے
تو چھپ کے سیے زخمِ خنداں کسی نے

نہ چھوٹے اسیری میں دامِ جنوں سے
سکھائے نہ آدابِ زنداں کسی نے

کسی کو ملا قصرِ شاہی جہاں میں
چنا سایۂ بیدِ لرزاں کسی نے

سنا ہے کہ پھر نرگسِ عبہری کو
کِیا پھر سے تصویرِ حیراں کسی نے

ملی ہی نہیں منزلِ شوق یارو
نہیں جب کِیا سنگِ باراں کسی نے

بصد شوق دامن بڑھایا جگر نے
اتارا جب اک تیرِ مژگاں کسی نے

بہار آئی تو کوئی صحرا کو نکلا
کیا شہر میں چاک داماں کسی نے

کسی کو نہیں پاس وعدہ و پیماں
تو سمجھا اسے جزوِ ایماں کسی نے

دھرے آرزو کیوں اسیری کی وہ پھر
نہ دیکھی اگر زلفِ جاناں کسی نے

گل و لالہ پر بوند شبنم کی جیسے
سجا رکھّا ہو اشکِ غلطاں کسی نے

۲۴ نومبر ۲۰۲۴

ڈگمگا گئے سب ہی دیکھ کر وہ انگڑائی
جھوم کر گھٹا آئی جب وہ زلف لہرائی

آ پڑی ہے اک مشکل کاٹے جو نہیں کٹتی
مجھ کو شوقِ نظارہ اُن کو خوفِ رسوائی

ادّعائے ضبطِ غم کے سوا نہیں چارہ
عرضِ حال کرتے گر ہوتی تابِ گویائی

کہتے ہیں مجھے پاگل لوگ دیکھتے ہیں جب
میرا چاک دامن اور میری آبلہ پائی

آرزو یہی ہے اب لمحۂ فراغت ہو
میں ہوں یادِ دلبر ہو اور کنجِ تنہائی

خوابِ ناز میں ہونا جرم ہو گیا لوگو
آ گیا ہے منصف سے حکمِ سلبِ بینائی

گو نہیں گئے کب سے یاد ہے مجھے اب بھی
بزم میں تری ساقی دورِ بادہ پیمائی

۷ فروری ۲۰۲۴

دردِ پیہم مونس و دمساز ہے
دھڑکنِ دل درد کی آواز ہے

کیا کروں دل کا کہ ایماں گر اِدھر
تو مقابل اک بتِ طنّاز ہے

عمر بھر جس کو چھپاتے ہم رہے
ہر زباں پر وہ نوائے راز ہے

ہستیِ موہوم کیا جانے اُسے
جو صدائے کُن لبِ اعجاز ہے

مبتلائے عشق سے جو پوچھیے
منزلِ شوق اک نگاہِ ناز ہے

ہے نویدِ آمدِ فصلِ بہار
عندلیب اک زمزمہ پرداز ہے

کھینچ دامِ زلفِ پیچاں اور ذرا
طائرِ دل مائلِ پرواز ہے

ہے اگر فکرِ دل و جاں تو سنو
تیرِ ابرو پھر ہدف انداز ہے

۱۴ اگست ۲۰۲۴

○

ڈرتا ہوں دیکھ لے نہ کوئی چشمِ تر کہیں
ہو جائے آہ میری نہ یوں بے اثر کہیں

جاتے ہیں اوڑھ کر رخِ تاباں پہ وہ نقاب
ہو مبتلائے عشق نہ مہر و قمر کہیں

ترغیب دی کہ چھوڑ دیں اندازِ ظلم و جور
شاید مرے کہے کا کبھی ہو اثر کہیں

سر پر کڑی تھی دھوپ تو آتش تھی زیرِ پا
تھا دشتِ زندگی میں نہ کوئی شجر کہیں

جایا کرو چمن میں نہ یوں بے نقاب تم
ڈرتا ہوں لگ نہ جائے گلوں کی نظر کہیں

گم ہو گئے وہ راستے جن پر چلے تھے ہم
کہنا سلام میرا ملے رہگزر کہیں

مجھ کو لگا رہا یہی قیدِ قفس میں خوف
صیّاد کاٹ دے نہ مرے بال و پَر کہیں

۲۸ جولائی ۲۰۲۲

○

دشت میں ایک بازگشت اب بھی سنائی دیتی ہے
بہری ہیں سب سماعتیں پھر بھی دہائی دیتی ہے

آئی تھی زیست میں کبھی ایک شبِ فراق جو
آج بھی آبِ چشم کو رنگِ حنائی دیتی ہے

لگتا ہے تب مجھے ابھی وقتِ وداع دُور ہے
جب بھی وہ میرے ہاتھ میں اپنی کلائی دیتی ہے

شوق کی رزم گاہ میں رکھنا قدم یہ سوچ کر
روح کو قیدِ جسم سے آس رہائی دیتی ہے

غرق ہوا وہ ناخدا جو بھی بنا خدا کبھی
دیکھتے ہیں کہ کیا تجھے تیری خدائی دیتی ہے

سنگدلی تو دیکھنا موت کی اے بشر کبھی
زیرِ لب اک ہنسی لیے داغِ جدائی دیتی ہے

فکرِ معاد چاہیے عالمِ کون میں اگر
اُس کی جھلک نہیں تجھے صاف دکھائی دیتی ہے

۱۲ اکتوبر ۲۰۲۲

دیکھ کر نگاہِ ناز پردہِ نقاب میں
عمر بھر پڑے رہے نشۂ شراب میں

وہ نشاط اب کہاں نظرِ التفات میں
رکھ دیا ہے جو مزا آتشِ عتاب میں

دل کو پکڑے ہے کوئی تھامے ہے جگر کوئی
تیر تھے چھپے ہوئے حسنِ بے حجاب میں

بزم میں چلا ہے پھر آج ذکرِ سوزِ عشق
عشق کی تپش کہاں نارِ التہاب میں

چاہیے ہے ساقیا گردشِ نگاہِ مست
ڈال دے شرابِ عشق ظرفِ آفتاب میں

مدتیں گزر گئیں یار سے جدا ہوئے
پھر کوئی جچا نہیں نظرِ انتخاب میں

ٹیس سی اُٹھی ہے اک پھر مرے جگر میں آج
دل کو چین آ گیا موجِ اضطراب میں

۱ مئی ۲۰۲۴

دیکھا تھا جلوہ اُس کا شبِ ماہتاب میں
تھی مستیِ شباب رخِ بے نقاب میں

تھے اور بھی حسین بہت شہر میں مگر
ٹھیرے تمہیں مری نگہِ انتخاب میں

اُس پر پڑی نگاہ تو ایسا مجھے لگا
چہرہ یہ تو وہی ہے جو دیکھا تھا خواب میں

جاتے ہیں رزم گاہ وہ یارو گزرتے ہیں
دن رات جن کے بربط و عود و رباب میں

ہے اعتراض کیوں تجھے مخمور آنکھ پر
کیوں ہو نگاہ مست نہ چڑھتے شباب میں

جب بھی ہدف پہ تیر لگا مسکرا دیا
ہے شرم تو ذرا نہیں اس بے حجاب میں

پھر آج زخمِ یاد ہوا ہے ہرا ادھر
تلخی کچھ اور کر سوا جامِ گلاب میں

اب اور حوصلہ نہیں جینے کا اے خدا
مدّت سے رہ رہا ہوں جہانِ خراب میں

ہم عمر بھر ہی کرتے رہے انتظار پر
اب کاروانِ زیست کا پا ہے رکاب میں

۲۱ مارچ ۲۰۲۳

دیکھتا ہوں راکھ میں کوئی شرارہ تو نہیں
حسرتِ دیدار ہے تابِ نظارہ تو نہیں

کیا ہے بحرِ معرفت کی انتہا اے ناسمجھ
جس کو سمجھا تُو کنارہ وہ کنارہ تو نہیں

کون ہے جو گن سکے فَضلوں کو تیرے اے خدا
جان دینا تیری رہ میں کچھ خسارہ تو نہیں

دیکھتا ہے چرخِ سفلہ کو نگاہِ یاس سے
جو ہے تاباں تیری قسمت کا ستارہ تو نہیں

رمز چلنے پر ہوئی رائے زنی لوگوں میں پر
تھا میں جس کا منتظر یہ وہ اشارہ تو نہیں

دیکھنا تو یہ تجاہلِ عارفانہ دوستو
داستانِ دل میں رمز و استعارہ تو نہیں

بات کرلی پھول سے سالکؔ نے گر تو کیا ہوا
بلبلِ گلزار کا گُل پر اِجارہ تو نہیں

۴ نومبر ۲۰۲۲

دیکھتے دیکھا حجابانہ مجھے
شمع نے کہہ دیا پروانہ مجھے

ہے مرا نام تو کچھ اور مگر
سب یہاں کہتے ہیں دیوانہ مجھے

تجھ سے پوچھوں گا جفاؤں کا تری
گر ملی جرأتِ رندانہ مجھے

ساقیا شام ترے میکدے میں
لے گئی لغزشِ مستانہ مجھے

مورتی تیری سجاؤں گا وہاں
مل گیا گر کہیں بتخانہ مجھے

نکلا تھا گھر سے کہ مسجد کو چلوں
راہ میں مل گیا مے خانہ مجھے

کب سے دیکھا نہیں پر آج بھی ہے
حسرتِ جلوہِ جانانہ مجھے

یادِ رفتاں کا کروں کیا اے خدا
کر دے اب یاد سے بیگانہ مجھے

بس خیالوں میں مگن رہتا ہوں اب
آ گیا راس یہ ویرانہ مجھے

۱۷اکتوبر۲۰۲۴

دھیمی رہے چراغ کی لَو آج شام کو
پہنچا فسانہ زیست کا اب اختتام کو

اے ساقیا اُداس ہے دل آج پھر مرا
بھر دے مئے مغانہ سے پھر آج جام کو

دعوت کا اہتمام ہے واعظ کے گھر پہ آج
دے دو پیامِ دعوتِ مے خاص و عام کو

ہوتی نہیں ہے اچھی حسینوں سے دل لگی
پر کون یہ بتائے دلِ بے لگام کو

مستانہ چال ایسی کہ بل کھاتی موج اک
دیکھے نسیمِ صبح قیامت خرام کو

سادہ دلی تو دیکھ کہ کوشش یہی رہی
پاؤں شبِ سیاہ میں ماہِ تمام کو

بس وہ ہی کامیاب ہُوا اِس جہان میں
جو ڈھونڈتا تھا بادۂ عشقِ دوام کو

مجنوں نے درسِ عشق دیا تو کہا مجھے
رکھنا عزیز جاں سے تمنّائے خام کو

تم کیوں نکالتے ہو مجھے بزمِ ناز سے
دو قید سے رہائی نہ پابندِ دام کو

جب پاس سیم و زر نہیں تو آپ ہی کہیں
پوچھے گا کون سالکِ رسوائے عام کو

۱۱اکتوبر۲۰۲۴

دی جان کسی نے تو سُولی پہ چڑھا کوئی
ملتا نہیں اب لیکن نقشِ کفِ پا کوئی

پھر عشق کے ہاتھوں اک دیوانہ ہُوا مجبور
پھر کوچۂ دلبر میں دیتا ہے صدا کوئی

اس راہِ تمنا میں جس نے بھی قدم رکھا
تو جاں سے گیا کوئی رستے میں لٹا کوئی

سنتے ہیں ہمیشہ ہی ہم دستِ زلیخا کا
دستار گرے جب یا ہو چاک قبا کوئی

تھا حکمِ قضا یارو اس جنبشِ ابرو میں
لیکن میں یہی سمجھا ہوگی یہ ادا کوئی

آنکھوں سے کہا دل نے یہ رسمِ زمانہ ہے
کرتا ہے خطا کوئی پاتا ہے سزا کوئی

کہتا ہوں اگر سمجھو تاریکیٔ زنداں میں
کیوں دل کو جلاتا میں جلتا جو دِیا کوئی

طوفان کی موجوں میں آواز اُٹھی تھی جو
کانوں میں پڑی سب کے لیکن نہ اٹھا کوئی

بس اشک بھری آنکھیں اور ایک تڑپتا دل
لازم تو نہیں یارو ہو حرفِ دعا کوئی

۸ جون ۲۰۲۳

دی جان پروانے نے اپنی اُن کو جتلائے بِنا
کیوں شمع پھر روئے نہیں ہستی کو پگھلائے بِنا

میں نے کیا شکوہ نہیں اُن کی جفاؤں پر کبھی
میں پونچھتا ہوں اشک اپنے اُن کو دکھلائے بِنا

ہے معرکہ آرائی کا ڈر بینِ چشم و دل مجھے
اُن پر ہوا عاشق یہ دل آنکھوں کو بتلائے بِنا

کہتے ہو تم نخوت پرستی ہے نہیں اُن میں مگر
وہ آئینہ کب دیکھتے ہیں خود پہ اِترائے بِنا

سنتا نہیں جب دم دلا سے دل مرا تو کیا کروں
روتا رہا کل رات میں اِس دل کو بہلائے بِنا

جب سانس گننے کے لیے گوشہ نشیں ہم ہو گئے
ہم کو سلیقہ آ گیا جینے کا سکھلائے بِنا

جاتا تو ہے سالکؔ وہاں اظہارِ منشا کو مگر
کیسے حصولِ مدّعا ہوتا ہے ہکلائے بِنا

۷ فروری ۲۰۲۳

دلِ حزیں کو ملا کوئی غمگسار نہیں
کہو غموں سے مرے ایک ہوں ہزار نہیں

سجا نہ داغِ رعونت کبھی تجھے اے بشر
نہیں ہے کچھ بھی اگر تُو کفِ غبار نہیں

گزر گئی شبِ فرقت اسی ملال میں ہی
خیالِ خام مگر باعثِ قرار نہیں

ہمیں حجاب رہا حالِ دل بتا نہ سکے
یہی سمجھتے رہے وہ کہ دل فگار نہیں

نظر پڑی مری جو صید گاہِ عشق پہ کل
تو جانا میں نے مجھے حسرتِ شکار نہیں

گلوں نے رنگ بھرے پیڑ برگ و بار ہوئے
مگر بہار میں رنگینیٔ بہار نہیں

کیا ہے عزم نہ جانے کا انجمن میں کبھی
کہ اس کی بزم میں قندیلِ اعتبار نہیں

نگاہِ شوق کی اُمید ہے ابھی بھی مجھے
رہِ طلب میں مگر سوزِ انتظار نہیں

۲۴ جنوری ۲۰۲۴

دل کی بات کہہ سکے ہم نہ برملا کبھی
واں پہنچ نہیں سکا دستِ نارسا کبھی

ربط کا یہ سلسلہ یوں چلا کہ میں رہا
منّتِ نظر کبھی موردِ بلا کبھی

وہ نگاہِ دوست تو یاد بن کے رہ گئی
دیکھ کر بدل لی راہ تھا جو آشنا کبھی

کچھ ہمیں حجاب تھا تھی کچھ ان کی بے رُخی
حالِ دل نہ کہہ سکے حسبِ مدّعا کبھی

اے خدا تری زمیں بھر گئی ہے ظلم سے
ہے کبھی صلیب و دار دشتِ کربلا کبھی

یہ غرورِ مال و زر کیوں ہو جب نصیب ہو
ریشمی قبا کبھی نقشِ بوریا کبھی

زندگی گزر گئی بس اسی طرح مری
صرفِ رنج و غم کبھی محوِ التجا کبھی

ہوتا مجھ پہ بھی عیاں لطف و انبساطِ زیست
گر سمجھتے وہ مجھے لائقِ جفا کبھی

اعتبارِ وعدہ اب کیوں کریں گے اس پہ جو
ہمسفر ہوا کبھی تو گریز پا کبھی

۲۸ جنوری ۲۰۲۴

دیا کس جرم میں بَن باس مجھ کو
ملی کیوں ظلمتِ افلاس مجھ کو

جفا میں بڑھ گیا کچھ اور بھی وہ
اگر پایا کبھی حسّاس مجھ کو

مواقع بے وفائی کے ملے تو
رہا پر دوستی کا پاس مجھ کو

غمِ دل کو چھپاتا تو ہوں لیکن
کرے رسوا نگاہِ یاس مجھ کو

دمِ تحریر تھوڑا سوچ کر پھر
لکھا مجنوں سرِ قرطاس مجھ کو

بڑھی تشنہ لبی جب بھی مری تو
سرابِ دشت نے دی آس مجھ کو

نہیں تھا حاصلِ عمرِ وفا کچھ
ہوا جب وقت کا احساس مجھ کو

کروں چارہ گری زخمِ جگر کی
ملے گر سودۂ الماس مجھ کو

۱۶ اپریل ۲۰۲۴

فاصلہ بڑھتا گیا جب جانبِ منزل گئے
تھے تہی معشوق سے صحرا میں جو محمل گئے

آشنائے محفلِ عیش و طرب کب تھے مگر
دیکھنے کو ہم بھی رقصِ طائرِ بسمل گئے

جا رہا تھا مست میں اپنے خیالوں میں مگن
یوں ہوا پھر تم اچانک راستے میں مل گئے

آنکھ میں آنسو لیے غم سے ہوئے مغموم وہ
بعد میرے قتل کے مقتل سے جب قاتل گئے

رات بھر سنتے رہے وہ داستاں مجھ سے مری
جب گئے وہ صبح کو تو حال سے غافل گئے

ہر قدم پر ہیں بچھی یادیں تمہاری ہم نشیں
یاد آئے تم بہت جب ہم لبِ ساحل گئے

تھا تاثر ناگواری کا رُخِ محبوب پر
حسرتیں لے کے اگر خوابوں سبھی محفل گئے

۱۴ اکتوبر ۲۰۲۲

گر درس حسن کو نہ دیا تھا ثبات کا
تو کیوں بنا دیا اسے حاصل حیات کا

یہ زندگی گزر گئی اندوہِ عشق میں
ہوتا کوئی تو راستہ غم سے نجات کا

جب ماتمی لباس کا پوچھا تو یہ کہا
پھر سے ہُوا ہے خون مری خواہشات کا

رستے سجا دیے ہیں چراغوں سے تا کہیں
رستہ نہ بھول جائے مسافر وہ رات کا

دل کو چُرا چکا تھا لٹیرا کبھی کا ہی
معلوم جب ہُوا مجھے اِس واردات کا

پوچھا سبب جنون کا یاروں نے تو کہا
مارا ہوا ہوں اک نگہِ التفات کا

دیکھو اِدھر اُدھر نہیں سب سامنے ہی ہے
اک ذرے میں ہے آئینہ اس کائنات کا

۲ جنون ۲۰۲۳

گر عشق جرم ہے تو ہم برسرِ خطا ہیں
فتویٰ ہے شیخ کا ہم مستوجبِ سزا ہیں

لگتا ہے یوں کہ پھر سے آمد بہار کی ہے
مرغانِ خوش نوا جو پھر زمزمہ سرا ہیں

کوئی نہیں رہی اب جینے کی وجہ یارو
آیا ہے وقت وہ اب جب غم بھی بے مزا ہیں

مجھ کو یقین ہے اب مقتل سجیں گے پھر سے
اہلِ جنوں چمن میں پھر آج لب کشا ہیں

ہووے کلیم کوئی توڑے طلسم اِن کا
ساحر سمجھ رہے ہیں وہ صاحبِ عصا ہیں

کنجِ قفس میں تنہا بیٹھا ہوا ہوں میں اور
گلشن میں چہچہہ زن مرغانِ خوش نوا ہیں

جب فائدہ نہیں تو کیوں آپ کو بتائیں
سمجھیں گے بات وہ ہی جو درد آشنا ہیں

حسن و جمال تم کو مائل کرے گا لیکن
اُن سے نہ دل لگانا یہ لوگ بے وفا ہیں

۲۳ جولائی ۲۰۲۴

گئے جبین سے سجا کے سنگِ آستان کو
مسافرانِ راہِ شوق دشتِ بے امان کو

عجیب سانحہ ہوا کہ رونقِ چمن گئی
رہے نہ جب مکین ہی تو کیا کروں مکان کو

یہ دید خواہ دیکھتا ہے راہ کب سے آپ کی
ستا رہے ہیں آپ اک مریضِ نیم جان کو

کیا ہے دستِ شوق تو دراز آپ نے مگر
یہ سوچتے ہیں دل دیا ہے اک بلائے جان کو

لگا کے آگ دے رہا ہے اب عدو ہَوا اسے
کوئی اٹھائے نیند سے چمن کے پاسبان کو

لیا ہے امتحانِ ظرف برقِ بے اماں نے پھر
چلو کہ پھر سے جوڑتے ہیں ٹوٹے سائبان کو

تھکن اتارنے کو رک گئے تھے راہگیر جو
وہ دیکھتے ہیں دور سے غبارِ کاروان کو

ذرا سنو تو اُس کی لن ترانیاں کہ جس نے پھر
کیا ہے زیرِ دام ایک صیدِ ناتوان کو

۲۴ ستمبر ۲۰۲۴

گلہ یہی ہے جونہی عشق بے نقاب ہوگیا
وہ نوبہارِ حسن اور بے حجاب ہوگیا

گمان تھا کہ جس کے بن نہ رہ سکوں گا میں کبھی
وہ پیکرِ خیال اب خیال و خواب ہوگیا

یہ سوچتا ہوں کیا کریں گے گمرہانِ عشق اب
کہ نقشِ رہ گزر ہی دشتِ پُرسراب ہوگیا

نہیں تھی تابِ عرضِ شوق پھر بھی کہہ دیا کہیں
وہی نیازِ عشق موجبِ عتاب ہوگیا

وہ حسنِ خودنگر ہوا جو آئینہ کے سامنے
تو دفعتاً رُخِ نکو گُلِ گلاب ہوگیا

تھا عالمِ شباب جو کبھی دوام دوستو
وہ دیکھتے ہی دیکھتے حبابِ آب ہوگیا

اسیرِ عشق کو تلاشِ گوہرِ مراد تھی
متاعِ جاں لٹا دی جب تو کامیاب ہوگیا

ہے آس کاروانِ زیست پھر اُٹھے گا ایک بار
خیالِ یار جب سے میرا ہمرکاب ہوگیا

۶ ستمبر ۲۰۲۳

گو شبِ تیرہ سہی رات یہ ڈھل جائے گی
صبح نو دور نہیں جان سنبھل جائے گی

بے وفائی کا گلہ کرتے ہو کیوں مجھ سے تم
بات نکلی تو بہت دور نکل جائے گی

قائدہ ہے یہ ازل سے کہ ہر اک پیدائش
اک نہ اک دن تو تہ دامِ اجل جائے گی

مجھ کو معلوم ہے یارو کہ تمنائے خام
ایک دن آتشِ جاں سوز میں جل جائے گی

صدمۂ ہجر تو مقسومِ ازل ہے پھر بھی
دل کو بہلاتے ہیں تقدیر بدل جائے گی

جانِ جاں گھر میں برستی ہے اُداسی پھر آج
کھول دو زلف تو یہ شام مچل جائے گی

ہوں جلن ہار مگر شمع کی مانند نہیں
دیکھنا صبح تلک شمع پگھل جائے گی

۱۷ ستمبر ۲۰۲۳

گناہ گارِ عشق کو ہوئی ہے پھر سزا کوئی
اگر ہے عشق جرم تو نہیں ہے بے خطا کوئی

بنے تھے چارہ ساز جو نہ جانے وہ کہاں گئے
کبھی ملا نہیں جواب دی اگر صدا کوئی

ملاحظہ ہو سادگی دلِ گرفتہ کی کہ یہ
نہال ہو گیا جو مسکرا دیا ذرا کوئی

یہ کون قبر پر مری کرے ہے شورِ گریہ آج
کہیں نہ خواب سے اٹھا دے بعد از قضا کوئی

تھا مدتوں سے منتظر اے عالمِ نزع ترا
ہے ڈر مگر کہ دے نہ زندگی کی اب دعا کوئی

نہ حوصلہ پڑا کبھی کہ پوچھتے صنم سے ہم
ستم طراز چاہیے تھی غایتِ جفا کوئی

چھپا لیا رُخِ جمال دفعتاً نقاب نے
ترنگ میں پھر آئی ہوگی زلفِ کج ادا کوئی

۱۷اگست ۲۰۲۳

دل کو آسودگی کی آس ہے آج
سامنے موت بے لباس ہے آج

پھر گنہگارِ عشق قید ہوا
کوچۂ یار پھر اداس ہے آج

کھینچنے دیں مجھے غموں کا لطف
دوستوں سے یہ التماس ہے آج

جس کو دیکھا نہیں تھا مدّت سے
لگ رہا ہے کہ آس پاس ہے آج

بالمقابل رہو مرے یونہی
خشک آنکھوں کو سخت پیاس ہے آج

ناز و انداز میں لحاظ رہے
بزم میں اک اداشناس ہے آج

پھر خبر ہے کسی کے آنے کی
شہر کا شہر بے حواس ہے آج

۳فروری ۲۰۲۳

○

ہے شخص کوئی ہو ترے انصاف کا مصداق جو
تُو مانگتا ہے وہ حساب اب کر دیا بے باق جو

چارہ گری ہو کیا بھلا اُس عشق کے بیمار کی
آبِ بقا کو زہر جانے زہر کو تریاق جو

معشوق کے دیدار کو بے تاب ہیں آنکھیں مگر
ہوتا نہیں وہ چاہتا ہے دیدۂ مشتاق جو

جانے خدا کیوں بزم سے ہر بار اُٹھ جاتا ہے وہ
جب ہو رہا ہو تذکرہ اُس کا ہے کج اخلاق جو

کوئی پڑھا دے پھر انہیں مہر و وفا کا وہ سبق
ازبر نہیں ہیں اب انہیں پڑھتے تھے وہ اسباق جو

وہ چشمِ آہو سے مجھے تاراج کر کے چل دیا
دل لُوٹ کر وہ لے گیا آیا تھا اک قزاق جو

تم نے نہیں دیکھے ہیں وہ عاشق ہوئے پامال جو
اب ہیں کہاں دیوانے وہ تھے شہرۂ آفاق جو

۲۲ جنوری ۲۰۲۳

○

ہے شوقِ وارستگی مجھے زیست کی گھٹن سے
سُن اے نہنگ اجل کہ اب چُور ہوں تھکن سے

کلی پہ شبنم کو دیکھ کر اک خیال آیا
ہوا ہے شاید گزر شبِ ہجر کا چمن سے

کبھی کبھی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا ہوں
لکھا ہو شاید کہیں ملن ایک گلبدن سے

اے مہرِ پیکر وہی نظر مانگتا ہوں میں بھی
پڑی تھی شبنم پہ کل جو خورشید کی کرن سے

نگاہِ حسرت تو دیکھ ہمجولیوں پہ لیکن
غمِ اسیری نہ پوچھنا طائرِ چمن سے

میں دشت پیما ہوا تو پایا مفید میں نے
کبھی لیا تھا جو درسِ آوارگی پوَن سے

ہے ہجر کی شام ختم ہونے کو اب کہ سالکؔ
مجھے مہک آ رہی ہے یوسف کی پیرہن سے

۱۲ ستمبر ۲۰۲۲

ہم رکھیں گے آس گرچہ آرزوئے خام ہے
جی رہے تو ہیں مگر جینا برائے نام ہے

یہ جنوں آوارگیٔ چشم کے باعث ہُوا
اک نگاہِ شوق پھر سے موردِ الزام ہے

دیکھ کر زاہد کو پوچھا میکدے میں کام کیا
جھینپ کر بولا نہ پوچھو آج اذنِ عام ہے

مجھ سے پوچھا تو کہا میں نے کہ لوگو ہے جہاں
بس اسی کا سامنے جس کے شراب و جام ہے

تابِ سوزِ عشق ہم نے طور سے سیکھا نہیں
اک جھلک سے جو ابھی تک لرزہ براندام ہے

دیکھنا نوواردانِ دشتِ الفت غور سے
سمجھے ہم ابرو جسے وہ تیغِ خوں آشام ہے

کیا کریں ہم اخذ اُس کی بات سے اے دوستو
جس کے ہر اظہار میں ہی کچھ نہ کچھ ابہام ہے

۱۴اگست ۲۰۲۲

ہجراں نصیب ہوں میں اک حسرتِ مجسم
کرتا میں کیا کہ تھی یہ فرقت قضائے مبرم

کہنے کو دوست ہیں پر جب بھی انھوں نے دیکھا
آیا نظر تبسم دیکھی نہ چشمِ پُرنم

تھا فتنۂ جہاں میں اک حسن سادگی کا
وہ آنکھ کی مروّت وہ زیرِ لب تبسّم

کل دی کسی نے دستک جا کر جو میں نے دیکھا
کھولے کھڑی تھی گیسو در پر مرے شبِ غم

اک جنبشِ مسلسل ہے نام زندگی کا
کہتے ہیں موت جس کو ہے اک جمودِ پیہم

رہتا ہے میرے دل میں اک شخص اجنبی سا
نظریں جھکی جھکی سی چہرے پہ زلفِ برہم

لازم ہے عاشقوں کو اس کے سوا نہیں کچھ
اک دردِ آشنائی اک ذوقِ لذّتِ غم

سالکؔ کو آج دیکھا اجڑا ہُوا لگا وہ
آنکھوں میں ایک طوفاں رُخ پر رِدائے شبنم

۲۱ مئی ۲۰۲۳

ہو کے موجِ نکہت وہ سانس میں مہکتے ہیں
تو کبھی وہ دل بن کر چھاتی میں دھڑکتے ہیں

دن کو تو سجاتے ہیں چہرے پر تبسم اک
سب سے منہ چھپا کر ہم رات کو سسکتے ہیں

شعلہ رقص کرتا ہے اشکِ شمع گرنے پر
جبکہ اشک پی کر ہم ضبط میں بہکتے ہیں

جان بوجھ کر یارو ان کو ہم ستاتے ہیں
ہو مزاج برہم تو اور بھی نکھرتے ہیں

یاد آتی ہے مجھ کو چشمِ مست کی شوخی
چاند جب نکلتا ہے جام جب چھلکتے ہیں

دوست ہو گئے مانع لذتِ جنوں میں پر
دامنِ دریدہ کو ہم مگر ترستے ہیں

یار سے جدائی کو ہو گئے زمانے پر
سوزِ آتشِ غم میں اب تلک سلگتے ہیں

۷ نومبر ۲۰۲۲

ہوئی جو آہِ جگر سوز بے اثر تو کیا
پڑی نہ نظرِ عنایت اگر ادھر تو کیا

ہوئی تمام دلِ زار کی تڑپ آخر
ہوئے جو ذوقِ تجسّس میں دربدر تو کیا

میں ناسپاس نہیں زخمِ آشنائی کا
بلاکشانِ محبت ہوئے اگر تو کیا

اسی بہانے تجھے یاد کر لیا ہم نے
ہوئی نہیں شبِ فرقت کی گر سحر تو کیا

بچھا رکھا ہے وہاں دامِ حسن پھر سے آج
اگر بہک گئی یکبارگی نظر تو کیا

ہوا ہوں دشتِ نوردی میں آبلہ پا میں
رہِ طلب میں ہوا خون گر جگر تو کیا

کسی کی یاد میں گزرے گی زندگی ساری
اگر نہیں ہے غمِ ہجر سے مفر تو کیا

ابھی تو خواہشِ پرواز دل میں باقی ہے
ہوئے اگرچہ شکستہ یہ بال و پر تو کیا

۳جنوری۲۰۲۲

وہ نالۂ نیم شب مرا پُراثر ہوا جب
گزر چکے تھے جہاں سے وہ باخبر ہوا جب

پھرا جہاں سب لیے تمنّائے رنگ و بو میں
خیال باندھا چمن کا میں دربدر ہوا جب

رہی تمنّا کہ دیکھتے اک نظر مجھے بھی
گزر چکا تھا شباب ظرفِ نظر ہوا جب

سنا یہی ہے خمارخانہ میں زاہدوں نے
گرا دیے جام بادہ کش معتبر ہوا جب

پڑی نظر تو لگے شناسا وہ سب مناظر
بہت دنوں بعد پھر وہاں سے گزر ہوا جب

گزر گئی عمر عالمِ یاس میں ہماری
چراغِ سحری تھا اعتبارِ سحر ہوا جب

گزرنا پڑتا ہے موجۂ بحر سے صدف کو
عدم ہوا ہست سے وہ قطرہ گہر ہوا جب

۲۰ نومبر ۲۰۲۳

ہجومِ رنگ و بو میں مشکِ یار ڈھونڈتا ہے وہ
نجوم میں ستارۂ نگار ڈھونڈتا ہے وہ

گزر رہی ہو زندگانی اضطراب میں اگر
تو کیا عجب کہ موت میں قرار ڈھونڈتا ہے وہ

کیا ہے ترک اک زمانے سے نبردِ عشق کو
مگر ابھی بھی راکھ میں شرار ڈھونڈتا ہے وہ

ندا وہ کیا ہوئی جو شورِ حشر میں اٹھی تھی اک
جہاں میں اب صدائے دلفگار ڈھونڈتا ہے وہ

ملاحظہ تو کیجیے کہ خوش گماں ہے کس قدر
سنا ہے دوستوں میں غمگسار ڈھونڈتا ہے وہ

لگا دی تہمتِ جنوں نگاہِ خلق نے یہاں
کہ دشتِ ہُو میں شجر سائے دار ڈھونڈتا ہے وہ

کبھی مصاحبت کرے غم و الم سے وہ مگر
کبھی حصارِ ذات سے فرار ڈھونڈتا ہے وہ

وہ چھیڑتے ہیں سالکِ حواس باختہ کو جب
خزاں کے موسموں میں بھی بہار ڈھونڈتا ہے وہ

۱۰ نومبر ۲۰۲۲

حسن سے غافل ہو کر اور حسیں ہو گئے
وہ بے خبر روپ اک زہرہ جبیں ہو گئے

سہہ نہ سکے ہنس کے جب عشق کے آلام تو
کنجِ نشیمن میں ہم گوشہ نشیں ہو گئے

منزلِ لیلیٰ ملی شوق بھی حیراں ہوا
دیکھ کے خالی جگہ دل کے مکیں ہو گئے

ہوگئی جب چشم نم بابِ دعا کھل گئے
قلبِ تپاں سے اٹھیں عرشِ بریں ہو گئے

چشمِ جنوں سے کبھی دیکھ لیا گر انہیں
آنکھ کنول ہوگئی ماہِ جبیں ہو گئے

جب نہ ہوا کچھ اثر اُن پہ مری بات کا
سادھ لی اک خامشی صبر گزیں ہو گئے

دیکھ لیا جب خدا چشمِ یقیں سے تو پھر
ٹوٹ کے سب ہی گماں سوزِ یقیں ہو گئے

۱۵ اگست ۲۰۲۲

ہوئے ہیں عشق میں جب سے فنا ہم
ہوئے ہیں کوئے جاناں کے گدا ہم

سزاوارِ ستم ٹھہرے ہیں یارو
جیے تو کیا جیے تیرے بنا ہم

شبِ تیرہ کبھی تو ختم ہوگی
سنیں گے نغمۂ موجِ صبا ہم

ہنسی میں جو اُڑا دیتے ہیں ہر بات
انھیں پھر کیا بتائیں مدّعا ہم

چلو تم ساحرانہ چال پہلے
تمھارے بعد پھینکیں گے عصا ہم

نہیں اُن کو پتا معنی وفا کے
کریں ہیں جن سے امیدِ وفا ہم

کبھی شاید خیال آئے ہمارا
چلے ہیں چھوڑ کر کچھ نقشِ پا ہم

۱۸ جون ۲۰۲۴

ہوئے رونقِ دشتِ ویراں کبھی ہم
بنے زینتِ طاقِ نسیاں کبھی ہم

ستمگر نے طرزِ جفا جب بھلا دی
گئے پھر نہیں کوئے خوباں کبھی ہم

یہ ٹھانی ہے دل نے کہ پھر سے نہ ہوں گے
گرفتارِ گیسوئے پیچاں کبھی ہم

کیا ہے ارادہ یہ دل نے کہ ہوں گے
نہیں قید گیسوئے دوراں کبھی ہم

ہوئے گرم بازار ہم سے کبھی تو
ہوئے ساکنِ چاہِ زنداں کبھی ہم

دلِ ناتواں میں کہاں تابشِ عشق
نہ جو سہہ سکے تیرِ مژگاں کبھی ہم

نہ وہ داغِ رسوائی کو سہہ سکیں گے
عیاں گر کریں سوزِ پنہاں کبھی ہم

یکم دسمبر ۲۰۲۴

اک مہ لقا کے سامنے لاچار ہو گیا
آزارِ عشق سے کوئی بیمار ہو گیا

دل ہو گیا ہے زخم طلب اس قدر کہ اب
وصلِ صنم مرے لیے دشوار ہو گیا

ہم تھے زبان بستہ پر آنکھوں پہ بس کہاں
سہواً گناہِ عشق کا اقرار ہو گیا

جب حالِ دل سنانے کو کوئی ملا نہیں
گوشہ قفس کا محرمِ اسرار ہو گیا

سننی نہیں پڑیں گی نصائح مجھے کبھی
اچھا ہُوا کہ شیخ بھی میخوار ہو گیا

جھپکی نہ پھر کبھی بھی پلک اُس نے دوستو
جو ایک بار تشنۂ دیدار ہو گیا

قسمت کو کوستا ہے وہ مرغِ چمن کہ جو
پہلی اڑان میں ہی گرفتار ہو گیا

اس چشمِ منتظر میں نہ تھی تابِ جلوہ ہی
دیکھا اسے تو صورتِ دیوار ہو گیا

۲۹ اگست ۲۰۲۴

اک نگاہِ رحمت کا صیدِ زیر کردہ ہوں
مصطفیٰ کے پاؤں کی خاکِ ناشمردہ ہوں

ہو نہ مجھ سے تُو ناراض اے خدائے بخشندہ
ہوں اگرچہ تر دامن پر ترا ہی بندہ ہوں

کر رہے ہو وعدہ تم میرے ساتھ چلنے کا
پر یہ سوچ لینا میں ہجرتی پرندہ ہوں

بے رخی کے کارن میں کب کا مر گیا ہوتا
اک فریبِ پیہم کے آسرے پہ زندہ ہوں

ہجرِ یار کا آزار آج تک نہیں بھولا
ہو گیا زمانہ پر اب تلک فسردہ ہوں

اور راستہ لے لو گر تلاشِ منزل ہے
مجھ پہ سوچ کے چلنا راہِ ناسپردہ ہوں

جرمِ بے وفائی میں ہو گئی سزا تو کیا
میں بھی حکم نامے پر دستخط کنندہ ہوں

۲ دسمبر ۲۰۲۲

علتِ عشق کا چارہ نہ ہوا
بُتِ کافر پہ اجارہ نہ ہوا

تھی تو اُمیدِ سحر مجھ کو مگر
اوج پر میرا ستارہ نہ ہوا

چھوڑ کر دشت کہاں جائیں گے گر
تنگ صحرا میں گزارہ نہ ہوا

کیوں دوں جلاد کو الزام اگر
آنکھ کا اُس کو اشارہ نہ ہوا

ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر
میری قسمت میں کنارہ نہ ہوا

جلوہ افروز ہوئے تھے وہ مگر
کیا کروں تابِ نظارہ نہ ہوا

بارہا زخم زدہ ہونے کے بعد
پھر کبھی دل میں شرارہ نہ ہوا

وہ ہی بیوپار سمجھتے ہیں اسے
عشق میں جن کو خسارہ نہ ہوا

۲۳نومبر ۲۰۲۲

امساک باراں ہو جہاں تو کشت ویراں کیوں نہ ہو
ہو جائے مشکل زندگی تو مرگ آساں کیوں نہ ہو

جب دوستو صیاد ہو جائے نگہبانِ چمن
تو پھر زباں بندی وہاں دستورِ زنداں کیوں نہ ہو

زنجیر کی جھنکار پر جو ہو گیا رقصاں یہاں
تم ہی کہو پھر وہ اسیرِ زلفِ پیچاں کیوں نہ ہو

اس قامتِ دل خواہ نے پاگل کیا ہے اک جہاں
تو پھر بتاؤ چال اس کی حشر ساماں کیوں نہ ہو

ہو مبتلا جو زخم یارو لذتِ آزار میں
پڑتا رہے اس پر نمک تو زخم خنداں کیوں نہ ہو

دشت و دمن کی خاک چھانے جو فراقِ یار میں
وہ چشمِ گریاں کیوں نہ ہو وہ چاک داماں کیوں نہ ہو

جس نے گزاری عمر ساری حسرتِ ناکام میں
وہ شخص یارو مبتلائے یاس و حرماں کیوں نہ ہو

۱۸ جنوری ۲۰۲۴

جا کہو کہ یہ مری زندگی کی شام ہے
سانس رک رہا ہے اب آخری سلام ہے

رہ نوردِ شوق اب ہو گیا کنارہ کش
آرزو نکالنا اک خیالِ خام ہے

کس کے پاس دیکھیے عذر ہے گناہ کا
میکدے میں واعظو آج اذنِ عام ہے

کیا سنا نہیں کہو نامِ کوہکن کبھی
جان سے گزرنا ہی شہرتِ دوام ہے

داستانِ عشق کیوں پوچھتے ہو کیا کہوں
بس یہی سمجھ لو اک کربِ ناتمام ہے

وہ گیا چمن میں تو پھول پوچھنے لگے
ایک دوسرے سے یہ کون خوش خرام ہے

وقت نے مٹا دیا آرزوئے وصل کو
طائرِ قیاس بھی آج زیرِ دام ہے

اے صنم عجیب ہیں رنگ تیرے شہر کے
واں سپیدہِ سحر یاں سوادِ شام ہے

۳۱جولائی ۲۰۲۳

جا رہے ہیں سب کہیں منزل نہیں معلوم پر
جانتے ہیں اِس قدر ہے خاتمہ معدوم پر

کب وفا کی زندگی نے تم نے سوچا ہے کبھی
کیوں غرور اتنا کرے ہو ہستیٔ موہوم پر

روبکاری ہے عدالت میں خمِ ابرو کی پھر
قتل کا الزام ہے اُس پیکرِ معصوم پر

خامشی سے سہہ لیے ظلم و ستم جب تو لگی
تہمتِ ضبطِ فغاں اُس دیدہِ مغموم پر

مانگتا ہے آشنائے لذتِ ریشِ جگر
پھر روا کر جورِ بیجا خاطرِ محروم پر

کیا کبھی سوچا ہے تُو نے حال کیا ہوگا ترا
آ گیا گر نالۂ سوزاں لبِ مظلوم پر

شوقِ رسوائی ہُوا پورا ہمارا گر کبھی
ہو گئے جذبات حاکم ہستیٔ محکوم پر

تھی نگاہِ فیض کی اُس میں نہیں برداشت تو
کیوں ہوئے تھے مہرباں تم سالکِ مرحوم پر

۱۶ نومبر ۲۰۲۴

جامِ عمر ایسے ہی چھلکا یادِ دلبر سے
نقشِ پا ہوا نابود جیسے موجِ ساگر سے

چھا گئی گھٹا بن کر آسمان پر ہر سُو
آہ اک اٹھی تھی جو رات قلبِ مُضطر سے

خون کر گیا دل کو ایک ناوکِ مژگاں
بے شبہ فزوں تر تھا زخم نوکِ نشتر سے

ایک ہوش دشمن نے یوں کیا مجھے بے خود
گر حواس آئے تو شورِ صبحِ محشر سے

بھید پا نہیں پایا میں خودانحصاری کا
ایک در کا ہو جاتا مانگتا نہ در در سے

چاک تھے قفس میں جو بھر دیے شکاری نے
تھا اُڑان کا خدشہ اُس کو مرغِ بے پر سے

بے خبر رہا سالکؔ ورنہ پاتے ہیں عشّاق
آمدِ تلاطم کو بادلوں کے تیور سے

۳۰ستمبر ۲۰۲۲

جان کھو کے بھی خسارہ نہ ہوا
تیرے بن جینا گوارا نہ ہوا

اک جہاں چھان لیا ہم نے مگر
دردِ پیہم کا مداوا نہ ہوا

بات جب عشق و وفا کی چلی تو
بزم میں ذکر تمہارا نہ ہوا

بس یہی زیست کا افسانہ ہے
ہم کسی کے وہ ہمارا نہ ہوا

طول کھینچے ہے شبِ فرقت پھر
ڈھل گئی رات سویرا نہ ہوا

چل پڑا راہِ فنا پر وہ جب
صرف یادوں پہ گزارہ نہ ہوا

تھی نہ جرات کہ جسارت کرتے
اور اُدھر سے بھی اشارہ نہ ہوا

۲۳جون ۲۰۲۴

جب چوٹ کوئی کھائی تو مسکرا دیے ہم
جانا کہ موت آئی تو مسکرا دیے ہم

گو گم رہے ہمیشہ دنیا کی تلخیوں میں
اک یاد گدگدائی تو مسکرا دیے ہم

شرم و حیا کا پردہ وہ آب و تابِ عارض
چہرے پہ شرم چھائی تو مسکرا دیے ہم

کرتے رہے وہ باتیں سب سے نظر ملا کر
مجھ سے نظر چرائی تو مسکرا دیے ہم

اتری ہے آزمانے صبر و شکیب میرا
آئی شبِ جدائی تو مسکرا دیے ہم

ادراک کی حدوں سے آگے نہ دیکھ پائے
جب سطوتِ خدائی تو مسکرا دیے ہم

اُس بزمِ عاشقی میں ہم پر عیاں ہوئی جب
وہ طرزِ دلربائی تو مسکرا دیے ہم

تیرہ و تار شب میں مرقد پہ میرے اُس نے
جب شمع اک جلائی تو مسکرا دیے ہم

۱۶ جون ۲۰۲۴

جب کسی نے حال پوچھا بِن بتائے رو دیے
حسرتوں کے داغ ہم نے آنسوؤں میں دھو دیے

جب دہائی دی بہت پاؤں کے چھالوں نے مجھے
راستے میں گھر کے اپنے تلخ کانٹے بو دیے

واپسی کا کیا کہیں گم ہو گئے سب راستے
آ گئے ہم دور اتنے نقشِ پا ہی کھو دیے

رنج میں گھلتے رہے ہم زندگی بھر شمع ساں
ظلمتِ شب نے مگر مانگے اُجالے تو دیے

دردِ پیہم ہو گیا ملزوم جینے کے لیے
نے ہوئے پھر مندمل وہ زخم تُو نے جو دیے

دوش دیتا تو نہیں میں اپنی قسمت کو مگر
جب جلائے آ گئی آندھی بجھانے کو دیے

تم کہو کچھ بھی اسے پر وہ نہیں ہرگز لئیم
ہم نے مانگا ایک گر تو زخم اس نے دو دیے

۳۰ جون ۲۰۲۲

جب سے عشق نے کیا دردآشنا مجھے
پھر نہیں پڑا کبھی دکھ کو ڈھونڈنا مجھے

بزمِ حسن و عشق سے کل بدر کیا گیا
اب کبھی وہاں نہیں پھر سے لوٹنا مجھے

میرا نام ہرزہ گرد منزلوں کو مجھ سے کیا
اک حواس باختہ کس نے روکنا مجھے

دیکھ کر کہا مجھے ربط میں ضرر نہیں
شرط ہے مگر یہی یوں نہ چاہنا مجھے

دل کے بتکدہ میں جب اک صنم سجا لیا
سہل ہو گیا وہاں اُس کو پوجنا مجھے

چاہیے کہ ہو پتا وجہِ برہمی مری
ہوگیا گراں بہت اُن کو ٹالنا مجھے

یاد آ گیا مجھے جب چلا میں دید کو
آستانے پر ترے سر کا پھوڑنا مجھے

یکم ستمبر ۲۰۲۲

جب سے کٹے بال و پر خوف رہا گرنے کا
شوق ہے پر حوصلہ مجھ میں نہیں اڑنے کا

گرچہ تھی مشکل مگر زیست گزر ہی گئی
ڈھنگ نہ آیا ہمیں اُس کے بنا جینے کا

آؤ کبھی بیٹھ کر بات کریں عشق کی
قصہ سنائیں تمہیں خونِ جگر پینے کا

آس ہے اس سے مجھے پُرسشِ احوال کی
دیکھ سکا جو نہیں داغ مرے سینے کا

آ گیا اک چین سا اِس دلِ آزردہ کو
جب سے یہ خوگر ہوا ظلم و ستم سہنے کا

شکوہ کروں بھی تو کیا شوخ ادا سے بھلا
توڑ کے وہ دل مرا پوچھتے ہیں کتنے کا

کوئی صنم کیا گئے دل لٹا کر آ گئے
بات عجب ہے مگر رنج نہیں لٹنے کا

۲۹ مئی ۲۰۲۴

جب ترا دل سنگِ بے حس ہو گیا
گریۂ غم اشکِ نرگس ہو گیا

آ گئے ہم چھوڑ کر وہ بزم ہی
جس میں واعظ میرِ مجلس ہو گیا

جب دکھائی بے رُخی احباب نے
غم مری راتوں کا مونس ہو گیا

فقر کا شکوہ نہیں پر دوست جب
کھو گئے تو میں بھی مفلس ہو گیا

لے گیا غم تیرا میخانے مگر
میکدے کے در سے واپس ہو گیا

۱۹ ستمبر ۲۰۲۲

جب ظلم و جور رحم کا مفہوم ہو گئے
تو بدعمل اک آن میں معصوم ہو گئے

پاداش جب گناہ کی معلوم ہوگئی
تو لذّتِ گناہ سے محروم ہو گئے

رکھی ہے ہست و بود کی قسمت میں نیستی
موجود تھے کبھی جو وہ معدوم ہو گئے

اب عشق کر لیا ہے ستمگر سے آپ نے
تو دل و داغ لازم و ملزوم ہو گئے

شاید تجھے پتا نہ ہو تھے وہ متاعِ جاں
لمحے جو تیرے نام سے موسوم ہو گئے

جینے کے واسطے بھی اجازت ہے لازمی
جب سے نگاہِ ناز کے محکوم ہو گئے

دیکھا قریب سے جو ملائک نے انس کو
تو تلخئ حیات پہ مغموم ہو گئے

۱۶ نومبر ۲۰۲۲

جہاں سے اُٹھ گیا جو رازدار ڈھونڈتا ہوا
گیا عدم کو چشمِ سوگوار ڈھونڈتا ہوا

مریضِ عشق آج بھی چمن میں گھومتا رہا
ہر ایک شاخِ گل پہ نیشِ خار ڈھونڈتا ہوا

ملی نگاہِ سرسری اسے پھر آج بزم میں
گیا وہاں جو چشمِ پُرخمار ڈھونڈتا ہوا

جو بلبلانِ شعلہ دم نے پوچھا تو کہا کہ میں
گلِ خزاں رسیدہ ہوں بہار ڈھونڈتا ہوا

گزار دی تمام عمر بس یہاں کچھ ایسے ہی
اسیرِ عمر اک رہِ فرار ڈھونڈتا ہوا

جو پر نہ کاٹتے مرے تو اُڑتا میں ہواؤں میں
صبا کے ساتھ زلفِ مشکبار ڈھونڈتا ہوا

ہوگا کوئی مریضِ عشق دوستو ضرور وہ
برہنہ پا گیا جو خار زار ڈھونڈتا ہوا

تھا جوششِ جنوں کہ سالکِ رہِ وفا گیا
رہِ فنا میں شجر سایہ دار ڈھونڈتا ہوا

۹ جنوری ۲۰۲۳

جل اٹھیں ہیں داغِ دل شب ہے ضوفشاں مجھ سے
ہوگیا ہے منسوب اب موسمِ خزاں مجھ سے

پائمال نقشِ پا ڈھونڈنے چلا ہوں پھر
راہِ منزلِ جاناں گم ہوئی کہاں مجھ سے

کچھ سمجھ نہیں آتا کیا غلط ہوا مجھ سے
پوچھیے ذرا اُن سے کیوں ہیں سرگراں مجھ سے

جس قدر جفا ہوگی خامشی سے سہہ لوں گا
کیوں رکھے ہو امیدِ شکوۂ بتاں مجھ سے

پھول کیوں نہ ہوں خندہ نالہ سنج بلبل پر
بلبلوں نے سیکھا ہے نالہ و فغاں مجھ سے

دل ہوا خدا کا گھر کیوں نہ پھر یہ سمجھوں میں
دور تو نہیں یارو عرشِ لامکاں مجھ سے

ہو رہی ہیں بے ترتیب دل کی دھڑکنیں پھر آج
جانے کیا ہوا ہے پھر وہ ہیں بدگماں مجھ سے

آج صحبتِ احباب گر نہیں میسّر تو
اے خدا بھلا دے تُو یادِ رفتگاں مجھ سے

۱۰جولائی ۲۰۲۴

جس کا نہ ہو جہان میں کوئی بھی گھر کہیں
تو کیا کرے وہ گر نہ پھرے دربدر کہیں

پھر آمدِ بہار پہ اک کھلبلی مچی
مرغِ قفس نے جب سُنی اڑتی خبر کہیں

یوں بل کمر کو دیتے ہو چلتے ہوئے جو تم
ڈرتا ہوں ٹوٹ جائے نہ نازک کمر کہیں

اس تیرِ نیم کش پہ چھڑک دے کوئی نمک
مٹ ہی نہ جائے لذّتِ ریشِ جگر کہیں

ہو اعتبار دیدۂ پُرنم پہ کیوں مجھے
ظاہر نہ کر دے راز مرا چشمِ تر کہیں

تھا ہمسفر کوئی نہ کوئی سفرِ زیست میں
یعنی کہیں سراب تو گردِ سفر کہیں

کہنا کہ راہِ شوق میں کب تک پھرو گے یوں
آئے نظر جو سالکِ شوریدہ سر کہیں

۲۳جولائی ۲۰۲۳

جس نے بھی دردِ عشق سے راحت کشید کی
اُس کو رہی ہمیشہ تمنّا مزید کی

دنیا سے ہی گزر گئے ہم انتظار میں
آنکھیں کھلی رہیں کہ تھیں مشتاق دید کی

تُو ڈھونڈتا رہا جسے وہ دور تو نہیں
آئی صدا قریب سے حبل الورید کی

دنیا نے کب قبول کیا جرمِ عشق کو
حاکم نے دی سزا ہمیں قیدِ شدید کی

پھر ہے نظر کے سامنے اک کربلا مرے
پھر آئے ہیں وہ لینے کو بیعت یزید کی

ہے زہد پر غرور جنہیں کیا کریں گے وہ
آئی صدا جو کان میں ھل من مزید کی

دشمن ہوئے ہیں جان کے سالکؔ رقیب پھر
کانوں میں جب بھنک پڑی گفت وشنید کی

۱۵ مئی ۲۰۲۴

جس قدر پیار کی حدّت ہوگی
اتنی ہی درد کی شدّت ہوگی

دیر سے بھید کھلا الفت میں
اپنے ہی سائے سے وحشت ہوگی

وہ مجھے ملنے کو آئیں گے جب
ہاتھ میں چادرِ تربت ہوگی

چاندنی پھیکی پڑی تو بولے
پھر کہیں پر شبِ فرقت ہوگی

کوہ سے نہر نکل آئی تو
دیدِ پیہم مری اُجرت ہوگی

ہم ستم ان کے کریں گے برداشت
جس قدر ضبط کی ہمتّ ہوگی

اہلِ بینش نے کہا تھا اک دن
دنیا میں پیار کی قیمت ہوگی

کیوں جنازے پہ مرے آتے ہیں
آپ کو مفت میں زحمت ہوگی

پوچھ آ کاش سے تُو بھی سالکؔ
مہرباں کب تری قسمت ہوگی

۳دسمبر ۲۰۲۲

○

جسے بسایا تھا آپ نے دل کی دھڑکنوں میں
وہ ڈھونڈتا پھر رہا ہے تسکین جنگلوں میں

چھری جو گھونپی گئی مری پیٹھ میں تو جانا
وہ دوستوں میں ملا تھا ڈر جس کا دشمنوں میں

کبھی ملی ہی نہیں ہمیں عاشقی کی فرصت
گزر گئی زندگی زمانے کی الجھنوں میں

وہ سنگ باری ہوئی گریبان چاک کر کے
کہ ہوگیا ہے شمار اپنا بھی عاشقوں میں

وہ جان قربان کرنا سیکھیں اگر تو کیونکر
نہیں جلاتے چراغ جو اپنی محفلوں میں

بٹھا دیا ہے سبھی کو اک ہی قطار میں آج
نہیں رہا فرق کوئی رندان و زاہدوں میں

سنا ہے آتا ہے قافلہ اہلِ دل کا پھر یاں
مچی ہے اک دھوم آج بستی کے مقتلوں میں

۲۷جون ۲۰۲۳

جو غمِ نہانی کو آشکار کرتا ہے
اہلِ عشق کو یونہی شرمسار کرتا ہے

گر کبھی گزر جاؤں کوچۂ صنم سے تو
دیکھ کر مجھے خنجر آبدار کرتا ہے

رہ نوردِ دل کو جب دیکھتا ہے آتا تو
رہگزارِ دل کو وہ خارزار کرتا ہے

گر چھپانا چاہوں بھی تو چھپا نہیں سکتا
دردِ ہجر آنکھوں کو آبشار کرتا ہے

کیوں نہیں اٹھیں گی پھر بدگمانیاں دل میں
جب مجھے کوئی صیّاد ہوشیار کرتا ہے

جس قدر حسیں دیکھے پُرفریب ہی نکلے
پھر بھی حسن والوں پر اعتبار کرتا ہے

دیکھنا تو سالک کو بے وقوف ہی تو ہے
روز شامِ وعدہ کا انتظار کرتا ہے

۱۵اپریل۲۰۲۳

جور و جفا کی سرگزشت دل پہ مرے لکھی ہوئی
قطرۂ اشک کی مہک چاروں طرف رچی ہوئی

عمر گنوا دی دوستو میں نے تلاشِ یار میں
جس کو میں ڈھونڈتا رہا دل میں ہی تھی چھپی ہوئی

مست نگاہ چاہیے دل کو لبھانے کے لیے
پر نہ بھلا سکا کبھی ایک نظر جھکی ہوئی

شامِ وداع میں کبھی تجھ کو بھلا سکا نہیں
گھر میں مرے ہے آج پھر محفلِ غم سجی ہوئی

ایک زمانہ ہوگیا پہلی نظر پڑی تھی جب
عمرِ عزیز ہے مگر اب بھی وہیں تھمی ہوئی

کرتے رہے تلاش ہم رخنہ تری خدائی میں
آئی پلٹ کے پر نظر ہو کے خجل تھکی ہوئی

دیکھا نہیں جو بزم میں پرسشِ حال کو گیا
گھر پہ نہ تھا کوئی مگر شمع ملی بجھی ہوئی

۱۴اگست۲۰۲۳

کام ہیں بہت مگر زندگی کی شام ہے
شوق ہے نہ ہی ہمیں فرصتِ قیام ہے

رُخ سے جب اٹھا نقاب نقشِ بھوں کو دیکھ کر
سب کو یوں لگا کہ اک تیغِ بے نیام ہے

منتظر ہوں کب اٹھے وہ نگاہِ شرمگیں
میکدے میں ساقیا رند تشنہ کام ہے

پُرغرور تھا بہت جو اُڑان پر کبھی
دیکھ زلفِ پُرشکن وہ ہی زیرِ دام ہے

سن رہے ہیں نکلے ہیں آج بے نقاب وہ
ہے خبر کہ شہر میں ایک قتلِ عام ہے

دل دہی کے واسطے خواب دیکھتا ہوں پر
آرزوئے وصل تو اک خیالِ خام ہے

کیا علاقہ نور سے ظلمتِ نصیب کو
آندھیوں کی راہ میں پھر چراغِ شام ہے

۱۲ مئی ۲۰۲۴

کاندھے پر بارِ ہستی اٹھائے ہوئے
جا رہے ہیں فلک کے ستائے ہوئے

سن سکو تو یہی ہے فسانہ مرا
مدتیں ہو گئیں مسکرائے ہوئے

کیا کریں اُن سے تجدیدِ عہدِ وفا
جو گزر جاتے ہیں منہ چھپائے ہوئے

دشتِ الفت میں پھرتا رہا عمر بھر
داغِ حسرت جگر پر سجائے ہوئے

شہرِ اُمیّد جاؤں تو کس کے لیے
اپنے تھے جو وہاں سب پرائے ہوئے

سامنے آ گیا وہ اچانک ہی آج
تھے زمانے سے جس کو بھلائے ہوئے

راستے میں ملے جب تو کہنے لگے
لگتے ہیں آپ دیکھے دکھائے ہوئے

مل گئی غایتِ چشمِ مشتاق جب
آئے مقتل میں بانہیں چڑھائے ہوئے

جا رہا ہوں ترے شہر سے اے ندیم
کاسہ میں سنگریزے اُٹھائے ہوئے

۱۹ جولائی ۲۰۲۴

کہا نہ کچھ کسی نے جب ستم کی انتہا ہوئی
تھی آنکھ کی خطا اگر تو دل کو کیوں سزا ہوئی

ادا ہے دلفریب تو ہے تیغِ غمزہ جاں ستاں
کسی کی جان ہی گئی کسی کی اک ادا ہوئی

ہوئی نہ سہل آج تک گھڑی جدائی کی کبھی
بچھڑ کے یوں لگا کہ روح جسم سے جدا ہوئی

تھی شوخ چشم کی ادا تو پہلے سے ہی چلبلی
فزوں ہوئے وہ چونچلے کہ جب سے دلربا ہوئی

غمِ فراق میں ہی بس یہ زندگی گزر گئی
نہ نالہ کارگر ہوا نہ آہ ہی رسا ہوئی

امنگ مر گئی اگر تو آرزو لہو ہوئی
مرے جگر کی خاک بھی زمینِ کربلا ہوئی

سنیں کبیدگی کا دوش دے رہے ہیں جو مجھے
کہ دوست سے خطائے عہد شکنی بارہا ہوئی

۱۴ ستمبر ۲۰۲۲

کہیں تو آئینے کو تعجب ہے سادگی پر
کہیں کرے رشک پنکھڑی لب کی نازکی پر

نہیں ہیں بیگانوں کے دیے زخم درد آگیں
ہے شدتِ درد منحصر جوشِ عاشقی پر

نجات مشکل بنا دی ہے پندگو نے لوگو
کہ ہے حصولِ بہشت موقوف زاہدی پر

کیا ہے مدّت کے بعد وعدہ وفا کسی نے
کہ ملنے تو آگیا وہ تھی سانس آخری پر

کوئی تو ناچے یہاں بھی نامِ وفا پہ جیسے
کیا تھا رادھا نے رقص کرشن کی بانسری پر

وفا پہ حیرانگی ہے اتنی مجھے کہ ہوتی
جو مکتبِ عشق میں مجرّد کی حاضری پر

نگاہِ سطحی کو داغِ دل کیا دکھائی دیں گے
نہ جا اے ظاہرپرست تو وضع ظاہری پر

یہاں سزاوار ٹھہرنے کے لیے بہت ہے
ہوا ہو ثابت جو جرمِ ناکردہ خامشی پر

۲۵نومبر ۲۰۲۲

کہیں تو ساحلوں پہ ڈھونڈتا ہے نقشِ پا کوئی
تو جنگلوں میں دے رہا ہے یار کو صدا کوئی

صدا لگا رہا ہے ایک گمشدہ کی یاد میں
بس ایک پل کی دید کا ہے منتظر گدا کوئی

ملا قرار درد کو تو بے قرار دل ہوا
یہ چاہتا ہے درد کو مرے کرے سِوا کوئی

کسی نے جان ہار دی کسی کی آبرو لُٹی
بتا تو عاشقی ذرا ترا ڈسا بچا کوئی

نہ واپسی کی راہ لی گئے جو گاڑ کر مجھے
اُٹھا کے ہاتھ قبر پر کبھی کرے دعا کوئی

بیاں کروں میں حالِ دل عیاں کروں جگر کے زخم
ذرا سی دیر کے لیے ہی ٹال دے قضا کوئی

حساب پاک ہوگیا مجھے کوئی گِلہ نہیں
نہ میں نے کی جفا کوئی نہ آپ نے وفا کوئی

۲۲ ستمبر ۲۰۲۰

کہو کہ شوق سے آئیں پہ بے نقاب نہیں
کہ دیکھنے کی یہاں پر کسی کو تاب نہیں

مصاحبت سے ہوئے ہیں وہ عذرخواہ پھر آج
بہانہ جوئی میں اُن کا کوئی جواب نہیں

ہوا کبھی نہ کوئی رنج میں شریک مرے
کہ سفرِ زیست میں تھا کوئی ہمرکاب نہیں

بکھر گئے وہ کہیں خواب جو تھے میرے کبھی
ہے اب یہ حال کہ آنکھوں میں کوئی خواب نہیں

گزر رہی تھی اگرچہ فریب پر ہی سہی
ہے راستے میں مرے اب کوئی سراب نہیں

ملا نہ سایہ کہیں دشتِ زندگی میں مجھے
کہ آسماں پہ مرے تھا کوئی سحاب نہیں

ہوا ہے نبض کے چلنے پہ زندگی کا مدار
تو پھر کہو کہ ہے کیا زیست گر حباب نہیں

۲۰ جولائی ۲۰۲۲

کہو کس نے دیا تھا اذن ہر جا بے خطر جاتی
اجازت کب تمہیں دی تھی کہ دل میں یوں اتر جاتی

نگاہِ لطف پر تھا انحصارِ زندگی تو اک
عنایت کی نظر ہوتی نہ مرنے کی خبر جاتی

بدل کر بھیس بیٹھے تھے رہِ دلدار میں ہم بھی
یہ گر معلوم ہو جاتا وہیں رستہ کتر جاتی

نہ یوں گر ہارتے دل تو کچھ اور بھی زندہ رہ لیتے
ذرا سا صبر کرتے تو شبِ فرقت گزر جاتی

جمی تھی بزمِ حسن و عشق کل جو ماہ و انجم کی
جو ہوتے تم وہاں گر تو وہ محفل اور نکھر جاتی

نہیں ہے حد کوئی تیری صناعی کی مرے یارب
نہ جانے دیکھتے کیا ہم وہاں تک گر نظر جاتی

اٹھا جو اُس کی محفل سے وہ دیدہ تر اٹھا یارو
کبھی ہوتا یوں بھی وہ بزم سے باچشمِ تر جاتی

جگر سوزی ہے لازم آہِ شب کی باریابی کو
کہو تم ہی بھلا کیسے وہاں بے بال و پر جاتی

۳جولائی ۲۰۲۳

کرتے رہے تمام عمر آپ کا انتظار ہم
آپ کے بعد پھر نہیں دیکھ سکے بہار ہم

اشک بہا رہے ہیں اب مرنے کے بعد وہ مرے
ہنستے رہے وہ جب ہوئے غارقِ منجدھار ہم

آج وہ پوچھنے لگے رہتے ہو کیوں الگ الگ
کچھ نہ کہا انہیں مگر رو دیے زارزار ہم

درد کا ہو علاج کیوں اس کی کوئی دوا نہیں
چوٹ لگی تھی کل جو اک آج بھی دلفگار ہم

بات وفا کی جب ہوئی سادھ لی ہم نے خامشی
کرتے نہیں کبھی مگر بول کے شرمسار ہم

سب کی زباں پہ ذکر ہے آپ کی بے وفائی کا
ہوتے نہ یوں ملول گر کرتے نہ اعتبار ہم

ایک ستم شعار نے ظلم و ستم بہت کیے
زخمِ جگر مگر کبھی کر نہ سکے شمار ہم

۱۳ ستمبر ۲۰۲۲

کشمکش میں ہوں کہ کیوں شب میں تیرگی نہیں
کیا یہی جنوں ہے جو دل گرفتگی نہیں

دل نہیں رہا وہ اب لے مزا جو زیست کا
ہے بہار تو وہی پر شگفتگی نہیں

سجدہ ریز گر نہیں روح تیری اے بشر
تُو جبین سا سہی پر یہ بندگی نہیں

سہل اب نہیں رہا زندگی گزارنا
جی تو میں رہا ہوں پر لطفِ زندگی نہیں

رہ نوردِ شوق کو باخبر کرے کوئی
عزمِ پختہ چاہیے عجز و خستگی نہیں

چشم اشک بار تو عشق صبر آزما
اے گرفتہ دل ترے غم میں پختگی نہیں

لائی ہے ہوائے دید در پہ تیرے ساقیا
سامنے ہی رہ کہ اب تابِ تشنگی نہیں

۷ مارچ ۲۰۲۳

○

کہنے کو تو بہار تھی شاخِ سمن نہ تھی مگر
بادِ صبا گزر گئی بُوئے چمن نہ تھی مگر

ہوں گی وجوہ ناگزیر وعدہ وفا نہ کرنے کی
دے لو کوئی بھی نام تم عہد شکن نہ تھی مگر

نیند سے کیوں اُٹھا دیا صورِ دمیدہ نے مجھے
دل کو سوادِ گور میں کوئی گھٹن نہ تھی مگر

حسنِ ازل کو دیکھنے ہم بھی گئے تھے کل وہاں
بزمِ نیازِ عشق میں سیمیں بدن نہ تھی مگر

مر تو گئے یہ سوچ کر مر کے سکون پائیں گے
بگڑے نصیب میں مرے خلدِ عدن نہ تھی مگر

جان کنی کے وقت وہ آئے جو حال پوچھنے
ان کی سوادِ چشم میں شوخ کرن نہ تھی مگر

لکھ دو غریبِ شہر کی قبر پہ آج دوستو
تیرے نصیبِ خفتہ میں صبحِ وطن نہ تھی مگر

۸ نومبر ۲۰۲۳

○

کرنے چلا ہے آج پھر زخمِ جگر ہرے کوئی
مجھ کو بلا رہا ہے پھر دشت سے بھی پرے کوئی

جانتا ہے جہاں انہیں عہد شکن کے نام سے
ہم کو رہی یہ آرزو پاسِ وفا کرے کوئی

مست نگاہ سے نہ یوں دیکھا کرو کسی کو تم
تیرِ نظر لگے اُسے بارِ حسد مرے کوئی

زیست کو آزما لیا غم کے سوا نہ کچھ دیا
چارہِ غم یہی تو ہے موت سے کیوں ڈرے کوئی

حاصلِ عمرِرفتہ ہے سوزِ دروں کی شعلگی
بیچتا ہوں متاعِ درد دام تو دے کھرے کوئی

ساقیِ کم نگاہ نے عذر کیا ہے آج پھر
چارہِ درد ہے یہی جام مرا بھرے کوئی

۲۷ اگست ۲۰۲۳

خامشی سے جان کا وارنا ہو سیکھنا
تو پگھلنا شمع کا تم ضرور دیکھنا

رُخ پہ جب بکھر گئی زلفِ یار تو لگا
بادلوں کی اوٹ سے چاندنی کا جھانکنا

یہ عجیب دور ہے پارسائی کے لیے
چاہیے ہے یوسفی پیرہن کا پھاڑنا

یاد ہے مجھے ابھی وہ شبِ فراق کا
کھولے گیسوئے دراز صحنِ گھر میں بیٹھنا

ظلمتوں کی رات سے پڑ گئی ہے خُو مجھے
موسمِ وصال میں فصلِ ہجر ڈھونڈنا

آج کل یہی ہے اک دلفریب مشغلہ
اشکِ ارغوان سے زخمِ دل کو سینچنا

کہہ رہی ہیں بس یہی دل کی دھڑکنیں مری
عرضِ مدعا ہے یہ پھر کبھی نہ روٹھنا

۲۶اگست ۲۰۲۲

خلد سے نکلا تھا جو خارِ ملامت لیے
جائے گا کیسے وہاں داغِ ندامت لیے

پاس نہ تھا کوئی عذر ایک گنہگار جب
پیش ہوا روزِ حشر عرقِ خجالت لیے

شیخِ حرم کی ریا دیکھ کے واپس ہوئے
آئے تھے ہم تو یہاں شوقِ عبادت لیے

گر شبِ امیّد میں شمع جلائی کبھی
تیز ہَوا اک چلی سوزِ رقابت لیے

حرفِ تمنّا اگر کہتے بھی ہم تو کسے
کاش کوئی ہوتا یاں گوشِ سماعت لیے

جو گیا تھا ڈھونڈنے منزلِ موعود وہ
آ گیا واپس وہیں گردِ مسافت لیے

ہم کو وہاں دیکھ کر ماتھے پہ ابھری شکن
بزم سے اُٹھ آئے ہم سر پہ قیامت لیے

۲۰اکتوبر ۲۰۲۴

خوں رُلاتی ہے کجی اہلِ چمن کی اب تک
گونج اِک اُٹھ رہی ہے دورِ فتن کی اب تک

دل ہوا زخم طلب تو انہیں بلوا بھیجا
پر خبر آئی نہیں تیر فگن کی اب تک

وعدہ پھر یاد نہ آنے کا کیا تھا اُس نے
یاد آتی ہے مگر عہد شکن کی اب تک

کی نہ کوتاہی کبھی چارہ گری میں ہم نے
پر دہائی نہ ملی دل کی گھٹن کی اب تک

وہ بِنا جرم کے بھی قابلِ تعزیر ہوئی
روح بے کل ہے اسارت میں بدن کی اب تک

زندگی دشت نوردی میں لٹا دی جس نے
اس کو بھولی نہیں بُو سرو وسمن کی اب تک

تجھ کو نیرنگیٔ ایام نے مارا سالکؔ
یاد آزار ہے یارانِ کہن کی اب تک

۱۹ اکتوبر ۲۰۲۲

خواب بکتے نہیں بازاروں میں
ورنہ ہم بھی تھے خریداروں میں

ڈالتے ہیں یہ بتِ وعدہ شکن
دردِ مہجوری کے انگاروں میں

ڈھونڈتے ہو جسے تم مسجد میں
وہ ملے گا تمہیں میخواروں میں

پھرتے دیکھو گے زلیخا کو تم
آج بھی مصر کے بازاروں میں

تھیں قیامت کی شروعات کہ ہم
خود ہی جا بیٹھے گنہگاروں میں

ڈر کے جاتا نہیں اُس کوچہ میں
آئے گا نام طلب گاروں میں

پہنی ہے سرخ قبا بلبل نے
پھر خزاں آئی ہے گلزاروں میں

۱۲ مارچ ۲۰۲۴

خواب میں جو آ جاتے رات اک نکھر جاتی
رہ نوردِ وحشت کی صبح ہی سنور جاتی

آپ ڈال دیتے گر اک نگاہِ پیہم تو
جلنے والے جل جاتے دور تک خبر جاتی

گر نقاب اُٹھ جاتا ماہ رُخ کے چہرے سے
رات کی سیاہی میں چاندنی نکھر جاتی

جب زباں مقفّل تھی اور دلوں پہ تھے پہرے
تو کہو تمھی یارو آہ پھر کدھر جاتی

دور تھی ابھی منزل پست جب ہوئی ہمّت
آندھیاں نہ آتیں تو شمع تا سحر جاتی

گر نہیں تھا قسمت میں آس ہی جواں ہوتی
جھوٹ ہی سہی لیکن زیست تو گزر جاتی

سوچتا ہے سالکؔ اب اُس کو گر وہ اپنا دل
چیر کر دکھا دیتا کیا پتا سدھر جاتی

۱۶ ستمبر ۲۰۲۲

کس بات کا ہے ڈر اب جب پیار کر لیا ہے
تیرے لیے مروں گا تیرے لیے جیا ہے

کیسے جیے جو پوچھا ہم نے کہا کہ ہم نے
کھایا ہے زخمِ دل اور خونِ جگر پیا ہے

پھر سے اُٹھا ہے دل میں اک شوقِ روسیاہی
پھر کوچۂ ملامت جانے کو دل کیا ہے

جینا مجھے سکھایا کنجِ قفس میں تنہا
مشکور ہوں میں اس کا جو غم مجھے دیا ہے

شیطان دوست بن کر دے گا فریب تم کو
اوپر سے میمنا تو اندر سے بھیڑیا ہے

اُن کے یہ تیرِ مژگاں ہوں گے نہ پُراثر اب
جا کر یہ کہہ دو اُن سے دامن ابھی سیا ہے

مجھ کو نہیں ضرورت سنجاب اور مخمل
میرے لیے ہے وافر جو گھر میں بوریا ہے

لو ختم ہو گیا اب تھا انتظار جس کا
دیکھو کہ موت کا بھی پیغام آ گیا ہے

۱۵ جنوری ۲۰۲۳

کس قدر شاداں ہو جاتی زندگی
گر نہ رہتی وصل کی اک تشنگی

اُس کے غم سے ہو گیا بیگانہ میں
شکریہ تیرا مری آشفتگی

مسکرا کر ملتے ہیں لوگوں سے آپ
مجھ سے کیوں ہے آپ کی بیگانگی

عمر بھر کا روگ لے بیٹھا مجھے
آپ کی تو ہو گئی بس دل لگی

وہ گزرتی ہے گراں اب بھی مجھے
مدتوں پہلے کی اک ناراضگی

عشق سے تائب ہوئے اُس وقت ہم
دیکھ لی عاشق کی جب بے چارگی

ہے نشاطِ زیست سالکؔ کے لیے
اک شبِ مہتاب اور آوارگی

۱ ستمبر ۲۰۲۰

کسی کی یاد میں یہ دل پھر آج بے قرار ہے
اگر جگر ہے سوختہ تو دل مرا فگار ہے

فضا میں گونجتی رہی تمام رات اک صدا
بچھڑ گیا جو ڈار سے اسی کی یہ پکار ہے

کھلے جگر میں لالہ پھر ہرے ہوئے یہ زخمِ دل
بتا رہے ہیں داغِ دل کہ موسمِ بہار ہے

عجیب ناسمجھ ہے دل مرا کہ اِس کو اب تلک
نہ آئے گا کبھی بھی جو اسی کا انتظار ہے

وہیں پڑاؤ ڈالتا ہوں آ لے جس جگہ تھکن
نہ گھر مرا کوئی یہاں نہ ہی کوئی دیار ہے

عزیزو کُنجِ اِنزِوا میں رہنے دو پڑا مجھے
نہ چھیڑو آج تم مجھے کہ دل پہ پھر غبار ہے

جواب پیار کا مرے ملا نہیں کبھی یہاں
طلب کروں گا حشر کو یہ آپ پر اُدھار ہے

تھا جن کا انتظار عمر بھر وہ آج آ گئے
کفن میں دیکھ کر کہا کہ چہرے پر نکھار ہے

ذرا بتاؤ تم مجھے کہ اعتراض کیوں نہ ہو
ہو دوست تیرا کیوں مگر جو میرا رازدار ہے

مچی ہے دھوم آج پھر اسی کی آنکھ کی یہاں
جہان میں وہی تو ایک چشمِ پُرخمار ہے

بجائی کنڈی دل کی تو صدا یہ آئی کون ہے
کہا مریضِ عشق تیرِ غمزہ کا شکار ہے

۱۵اکتوبر۲۰۱۴

کسی کو زندگی ملی نگاہِ جاں نواز سے
تو قتل ہو گیا کوئی نگاہِ نیم باز سے

سمجھ گئے تھے دیکھ کر گلِ خزاں گزیدہ کو
چلی نہیں نسیمِ صبح مدّتِ دراز سے

نزاعِ چشم و دل کی روبکاری ہے پھر آج یاں
نہیں ہے آس منصفی کی حاکمِ مجاز سے

ہے ڈر ہمیں کہ رک نہ جائیں سلسلے جفاؤں کے
کریں مگر گلہ تو کیوں ہم اس ستم طراز سے

ملاحظہ ہو سادگی بتانِ فرش کی ذرا
جو لطف مے کا پوچھتے ہیں رندِ پاکباز سے

مرا قصور تو نہ تھا کہ لڑکھڑا کے میں گرا
کہو کہ کب بچا کوئی نگاہِ دلگداز سے

لبوں پہ جان ہے مری بس آخری یہ سانس ہے
کرے نہ اب دوا دہی یہ کہہ دے چارہ ساز سے

عجیب مخمصہ ہے یہ کوئی بتائے کیا کروں
مجھے ہوا ہے پیار ایک نوبہارِ ناز سے

۱۲ اکتوبر ۲۰۲۴

○

کسی نے لیا حال تو رو دیے ہم
چڑھا جب نیا سال تو رو دیے ہم

ملے مدتوں بعد جب بے وفا سے
اسے پایا بدحال تو رو دیے ہم

گناہوں کی گٹھڑی تھی بھاری بہت پر
گنے اُس کے افضال تو رو دیے ہم

کلی ایک روندی گئی زیرِ پا کل
ہوا حسن پامال تو رو دیے ہم

نہ کی فکرِ افعال دنیا میں لیکن
ہوا وزنِ اعمال تو رو دیے ہم

تردّد بہت تھا ہمیں بھیجنے میں
کیا نامہ ارسال تو رو دیے ہم

کیا رقص بجتی رہی تال جب تک
ہوئی تال بے تال تو رو دیے ہم

۱۲ نومبر ۲۰۲۲

○

کیا ہے برداشت شدّتِ تشنگی کو ہم نے
اُگا لیا جب بھی فصلِ آشفتگی کو ہم نے

الاپتا ہے بہار اک غنچۂ دہاں اب
کہ تابِ گویائی دی ہے لب بستگی کو ہم نے

نہیں ہے دور از خیال کچھ بھی اسی لیے تو
کبھی نہ روکا گماں کی آوارگی کو ہم نے

جو روزِ محشر نظر پڑی اس رُخِ نکو پر
دیا نیا نام ایک بے پردگی کو ہم نے

ملی نہ تعبیرِ دردِ دل جب اے چارہ گر تو
سجا لیا یادِ رفتہ سے زندگی کو ہم نے

جبین سائی کا ہم نے پایا مزا اسی وقت
ملا دیا عاشقی سے جب بندگی کو ہم نے

گلِ خزاں دیدہ کو بھلا دو اے بلبلو اب
کہ لے لیا ہے خزاں سے افسردگی کو ہم نے

ملا نہیں غمگسار جب عالمِ فنا میں
بنا لیا چارہ ساز دیوانگی کو ہم نے

۱۳ ستمبر ۲۰۲۳

کِیا ہے سوزشِ نہاں کو اُن پہ آشکار کیوں
تھا حوصلہ نہیں تو پھر بنے تھے رازدار کیوں

وفا کی بات جب ہوئی تو ماتھے پر شکن پڑی
نہ پوچھ پائے بات وہ لگی تھی ناگوار کیوں

کرے ہے قلبِ پُرہجوم اب ملال کیوں بھلا
کِیا تھا اعتبارِ ہستیٔ بے اعتبار کیوں

نگاہِ کج بہت تھی میرے مارنے کو اے صنم
تو پھر اُٹھائی تُونے تیغِ زہر آبدار کیوں

حواس باختہ نہیں سمجھتے لوگ گر مجھے
تو پھر کھڑے ہیں راستے میں میرے سنگبار کیوں

اے دل نہ بول جھوٹ اب کہ جانتا ہوں میں تجھے
تجھے نہیں تھا انتظار تو یہ اضطرار کیوں

بجا رہے حواس کس کے دیکھ کر تجھے صنم
تو دھڑکنیں دلِ حزیں کی رہتیں برقرار کیوں

مرے دلِ فگار کو بتائے تو کوئی ذرا
رہا نہ راہ و ربط جب تو سوزِ انتظار کیوں

۶/اکتوبر ۲۰۲۴

کیا نام دوں میں زیست کو اب ظلمتِ شب کے سوا
کچھ بھی نظر آتا نہیں سامانِ عبرت کے سوا

کچھ پہلے آتے تو بچھاتے پھول قدموں میں مگر
اب کیا ملے گا آپ کو اک لوحِ تربت کے سوا

دل کو خیالِ صبحِ نو سے اب نہیں بہلائیں گے
کوئی نہیں اپنا یہاں اِک شامِ غربت کے سوا

دل کی امنگیں کھو گئیں جانے کہاں کس کو پتہ
کچھ بھی نہیں اس میں رہا اک داغِ حسرت کے سوا

ہم بھی گئے تھے بزم میں عشوہ طرازی دیکھنے
کچھ بھی نہیں اس میں رہا اک داغِ حسرت کے سوا

اک دشتِ آوارہ نے چھانی خاکِ صحرا عمر بھر
الزام دے گر تو کسے وہ جوشِ وحشت کے سوا

کس کو خدا کا خوف ہے اس عالمِ اجسام میں
کچھ بھی نہیں دِکھتا یہاں بازارِ غفلت کے سوا

غافل نہ کر دے یار سے ہنگامۂ ہستی کہیں
اب تو نہیں خواہش کوئی اک کنجِ خلوت کے سوا

۲۰ مارچ ۲۰۲۴

کیوں دل کی خلش یارو نظروں سے نہاں ہوگی
اُس شوخ کے ترکش میں جب بھوں کی کماں ہوگی

تسکین تجھے ہوگی تب اے دلِ آزردہ
مخصوص تری منزل جب کوئے بتاں ہوگی

کرتے ہو تغافل اب مرنے پہ مرے لیکن
اک حشر بپا ہوگا کچھ آہ و فغاں ہوگی

ہم عشق نہیں کرتے گر ہم کو پتہ ہوتا
پالا پڑے گا جس سے وہ سیف زباں ہوگی

ساقی سے جو پوچھا تو آہستہ سے بولا وہ
میخانہ کھلے گا جب گل بانگِ اذاں ہوگی

الزام لگا مجھ پر جب دل کے چرانے کا
تو جان لیا میں نے اب قیدِ گراں ہوگی

ہم تجھ سے بچھڑ کر بھی جیتے تو رہیں گے پر
جو زیست رہی باقی وہ فصلِ خزاں ہوگی

کیوں کرے ہے غم اگر دوست ناشناس ہے
کیا تجھے پتہ نہ تھا دہر ناسپاس ہے

ایک بے وفا کی یاد پھر ستا رہی ہے آج
ساقیا پلائے جا شام پھر اداس ہے

شورشِ جنوں میں ہی زندگی گزر گئی
چاک گر قبا نہیں آبرو کا پاس ہے

دے کوئی نمک مجھے زخم پر چھڑکنے کو
چوٹ ہے نئی ابھی زخم بے لباس ہے

جا کہو یہ زیست سے ہے سفر کٹھن بہت
رہزنوں کا خوف ہے راہ پُرہراس ہے

تشنہ کام ہی رہے میکدے میں ساقیا
ہم تو سن کے آئے تھے تُو اداشناس ہے

پھر خبر اُڑی کہیں آمدِ بہار کی
دیکھ بلبلِ اسیر پھر سے بدحواس ہے

۲۸ جون ۲۰۲۴

کیوں ذہن میں نہ آیا سرزد ہوئی خطا جب
آیا خیالِ لغزش میں اُن پہ مر مٹا جب

سمجھے تھے دشت گردی جولان گاہِ الفت
جانا جنوں کا مطلب جامہ ہوا قبا جب

دریا تھا شورِ محشر اک جوشِ بیخودی میں
آیا قرار اس کو ساگر میں مل گیا جب

جاں کا نثار کرنا ہوتا نہیں ہے مشکل
ہم ہوگئے کسی پر جی جان سے فدا جب

ہم پوچھتے نہیں ہیں کیا جرم تھا ہمارا
ٹھیرا دیے گئے ہم مستلزمِ سزا جب

امید ہے لگائے خلدِ عدن کی گرچہ
چھوڑا گناہ اُس دَم جاتا رہا مزا جب

ہے دید کی تمنّا پر تاب ہے کسے یاں
جلوہ نہ سہہ سکے تھے اک صاحبِ عصا جب

پائے گی چین خلقت کھینچے گا ہاتھ جس دن
ظلم و ستم سے اپنے وہ بانیِ جفا جب

کہتے تھے ہم کریں گے غفلت نہیں کبھی پر
آیا خیال اُن کو ہم ہوگئے فنا جب

کہتے تو وہ نہیں ہیں تم سے نہیں خصومت
پر رُک گئیں ہوائیں گُل ہوگیا دِیا جب

۸ جولائی ۲۰۲۲

کوئی ہو جو درد کی دوا دے
اعجازِ عیسوی دکھا دے

دیکھا ہے سوزِ زندگی تو
اب سازِ زندگی چکھا دے

تجھ سے ہی التجا ہے یارب
آدابِ بندگی سکھا دے

لے ڈوبے گا تجھے یہ اک دن
پندارِ عاشقی مٹا دے

تجھ میں موجوں کا سر پٹخنا
اوصافِ عاجزی رچا دے

تسکینِ دل کی آرزو میں
آشوبِ آگہی مٹا دے

طوفاں کو شمعِ رہ گزر اب
اعلانِ سرکشی سنا دے

۲۵ اگست ۲۰۲۴

کوئی نہ آئے گا اب اس دلِ پریشاں میں
کہو کھلے ہیں کبھی پھول بھی بیاباں میں

نہیں ہے اس کے لیے سہل خود کو سلجھانا
جو ایک بار الجھ جائے زلفِ جاناں میں

نہ اہلِ قریہ نے پوچھا اسے پڑا ہے جو
اسیرِ عشق مرض ایک کنجِ زنداں میں

نہ تجھ پہ دوش لگاتا وہ بیوفائی کا
نظر جھکا کے اگر دیکھتا گریباں میں

ہے آسِ تحفۂ فصلِ بہار اب اُس سے
لگے جو تخم محبت کے کشتِ ویراں میں

امنگِ وصل میں آدھی گزار دی جب تو
گزار دیں گے بقیہ بھی یادِ مژگاں میں

چراغِ راہگزر بجھ گیا ہَوا سے جب
سجا دیا پھر اسے ہم نے طاقِ نسیاں میں

ہوا عجیب سا احساسِ حسنِ دو روزہ
گئے جو شام کو ہم محفلِ نگاراں میں

وہ پوچھتے ہیں مجھے کیوں تجھے ہوئی سالکؔ
نشاطِ غم کی تلاش ایک زخمِ خنداں میں

۱۷ستمبر ۲۰۲۲

کچھ اور مرا رستہ کچھ اور ڈگر تیری
پر بیٹھا رہا شاید ہو راہ گزر تیری

غنچے کا چٹخنا تھا یا خندہ لبی تیری
کھایا جو ندی نے بل یاد آئی کمر تیری

پیمانہ بکف تھے وہ ہیں جام شکن جو اب
رندوں پہ پڑی جب سے اک مست نظر تیری

اک روگ لگا ایسا درمان نہیں جس کا
سنتے ہیں نگاہِ شوق ہے زوداثر تیری

گر تیز قدم ہوتے تو ساتھ نبھاتے ہم
دامن میں سجائے ہیں اب گردِ سفر تیری

یہ سوچ لیا ہم نے اب تجھ کو بھلا دیں گے
روکیں گے اِن اشکوں کو یاد آئی اگر تیری

بس چھوڑ دے اب تُو بھی شکوہ شبِ ظلمت کا
سالکؔ تھی یہی قسمت مہکی نہ سحر تیری

۱۸ ستمبر ۲۰۲۴

کچھ صبر کرو راہ کشا آنے لگا ہے
پھر شمع پہ اک بخت جلا آنے لگا ہے

معلوم نہیں ہے جو تجھے سب کو پتا ہے
کوچے میں ترے ایک گدا آنے لگا ہے

سنتا ہوں کبھی نغمہ کہیں موجِ صبا کا
لگتا ہے کہ پیغام ترا آنے لگا ہے

زخموں پہ نمک ڈالنے آتا ہے کوئی آج
یہ سوچ کے ہی لطف نیا آنے لگا ہے

آرام سے دن رات گزر جاتے ہیں میرے
جب سے مجھے رونے میں مزا آنے لگا ہے

سب چھوڑ گئے ساتھ مرا دیکھ لیا جب
سالکؔ پہ کوئی وقت برا آنے لگا ہے

۲۵ جنوری ۲۰۲۳

لذتِ نظارہ ہے جام چھلکتا ہوا
دھڑکنوں کی تھاپ پر جسم تھرکتا ہوا

موت کا پیغام تھا صدمۂ فرقت مگر
دیکھ کے حیراں ہوا دل کو دھڑکتا ہوا

زلف پریشاں ہوئی سایۂ گیسو بڑھا
آنکھ نے دیکھا وہاں شب کو نکھرتا ہوا

آس رہی ساقیا تشنہ لبوں کو یہی
دشت میں دیکھیں کبھی ابر برستا ہوا

نغمۂ بلبل ہے کیا پوچھنے پر یہ کہا
مجھ سے نہ دیکھا گیا غنچہ چٹکتا ہوا

دعوتِ نظارہ ہے شام کو گھر پر مرے
آ کے ذرا دیکھنا خواب بکھرتا ہوا

کاش کہ وہ ماہ رُخ آئے لبِ بام ہی
شوق سے دیکھا کریں چاند نکلتا ہوا

۲۴ اکتوبر ۲۰۲۳

لوگ تھے جہاں میں وہ جو کہ بے بدل اُٹھے
ہم تھے تیرہ بخت جو یاں سے بے عمل اُٹھے

اشتیاقِ جاں دہی ہو گیا عیاں تو پھر
جب چراغ اک بجھا تو ہزار جل اُٹھے

جب ملی انہیں خبر آ رہا ہوں بزم میں
تھا سماں وہ دیدنی جب وہ کھا کے بل اُٹھے

سامنے رقیب کے بے حجاب جب ہوئے
ہم جگر کو تھام کر انجمن سے کل اُٹھے

خود فریب دل کو اب اور کیا فریب دیں
وصلِ یار کی اگر آرزو مچل اُٹھے

جوششِ جنون نے پھر کیا طلب مجھے
جب سنی پکار تو بے دھڑک نکل اُٹھے

راہ سے بھٹکنے کا شوق کم ہُوا نہیں
انتظار ہے کہ کب رندِ لم یزل اُٹھے

۲۹ نومبر ۲۰۲۲

لوگ اُداس ہیں کوئی چشم نہیں کہ تر نہیں
جس کے لیے مرے تھے ہم صرف اسے خبر نہیں

زخم پرانے چھیڑو گے آج اگر کرو گے تم
بات شبِ فراق کی جس کی کوئی سحر نہیں

سہہ نہ سکو گے زخمِ پا عشق کے خارزار میں
دشتِ جنوں کی دھوپ میں سایہ فگن شجر نہیں

مجھ کو پتا نہیں وہاں کن کے کٹے پڑے ہیں سر
کوچۂ جانستاں سے تو کب سے ہوا گزر نہیں

یار سمجھتے ہم رہے جن کو تمام عمر ہی
اُن میں تھے مخلصان پر اکثر و بیشتر نہیں

سکھ کو دوام کب ہوا رنج و الم ہے باوفا
سانس چلے ہے جب تلک غم سے کوئی مفر نہیں

کر کے قفس میں قید پھر مجھ کو کیا بے آبرو
دے کے خبر کہ اب اسے خواہش بال و پر نہیں

۱۲۲اکتوبر ۲۰۲۲

مچی ہے دھوم میرے قتل کی سرائے دہر میں
اٹھاؤں گا صلیب اپنی کل میانِ شہر میں

کوئی بتائے کیا کروں کہ عقل روکتی ہے پر
بضد ہے دل مرا کہ جاؤں کوچۂ بے مہر میں

ہوئے ہیں حاکمِ مجاز اب وہی دیار کے
کبھی لگا رہے تھے سیندھ جو فصیلِ شہر میں

نہ کر رموزِ عاشقاں عیاں یہاں کہ ہے نہیں
انا کی جنگ ہارنا ابھی مزاجِ دہر میں

پلا دے ساقیا شراب اس قدر مجھے کہ آج
غمِ فراق بھول جاؤں بے خودی کی لہر میں

بھسم نہ ہوگا کیوں کوئی نگاہِ شعلہ بار سے
ہزار بجلیوں کی کوند ہے نگاہِ قہر میں

اُسی عدوئے جان سے ہے آسِ مژدۂ حیات
کرے جگر کے پار جو بجھا کے تیر زہر میں

۱۷مارچ ۲۰۲۳

میکدے کے در سے شیخ کفر آشنا نکلا
مے کشوں میں کب کوئی رند پارسا نکلا

سر مرا کٹا جس کی آنکھ کے اشارے پر
جب اُٹھی نظر میری تو وہ دلربا نکلا

دوست تو بہت تھے پر وقتِ سخت آیا جب
تو غمِ نہانی ہی سب سے باوفا نکلا

اک نشان ہی پایا دشتِ عشق میں ہم نے
غور سے جو دیکھا تو اپنا نقشِ پا نکلا

شام جشنِ مقتل میں ایک سورما دیکھا
جو قفس سے مقتل کو دف پہ ناچتا نکلا

جو نظر سے غائب ہے جستجو کی جب اس کی
کائنات میں اُس کا عکس جابجا نکلا

ہوگیا تھا اندازہ ہے مزاج برہم جب
لے کے دیدۂ پُرنم کوچہ سے گدا نکلا

۱۲ جولائی ۲۰۲۳

مستیٔ شراب ہے آنکھ کے حجاب میں
صبح حشر ہے نہاں چشمِ نیم خواب میں

دردِ دل سوا ہے آج مے کو اور تلخ کر
ساقیا نظر تو ڈال اس شرابِ ناب میں

چاہتا ہوں تجھ سے میں مغفرت مرے خدا
مجھ سے جو ہوئے گناہ نشۂ شباب میں

موردِ نگاہِ کج جو ہوئے وہ کہتے ہیں
کیف تھا عجیب سا آتشِ عتاب میں

مر گیا بھلا ہُوا وہ اسیرِ عشق آج
خانماں خراب تھا جان کے عذاب میں

زندگی گزار کر یہ پتہ چلا ہمیں
موت ہے سکون میں زیست اضطراب میں

ہے دلِ گرفتہ کو پھر سکون کی تلاش
کب سے چل رہا ہوں میں دشتِ پُرسراب میں

۲۵ مئی ۲۰۲۴

مطیع کو رَجا نہیں متاع کو جبیں نہیں
ملے گی اب یہاں کہیں وہ چاک آستیں نہیں

بجھا نہ پائے آس اور زندگی گزر گئی
کہ محفلِ حیات میں تھا کوئی ہم قریں نہیں

نوائے درد دی کسی نے دشتِ عشق میں کہیں
کہا کہ میرے دوستوں میں بادیہ نشیں نہیں

بچھائے ہوتے کانٹے راہِ رہ نوردِ شوق میں
مگر کوئی بھی اس قدر فراخ آستیں نہیں

کسی کے انتظار میں گزر گئی تمام عمر
کہ تھا مرے نصیب میں وہ دستِ نازنیں نہیں

بھلا اُسے ہو کیا پتہ وفورِ اضطراب کا
جلا ہی گور پر کبھی جو شعلہ آتشیں نہیں

گزر گئی یہ زندگی کچھ ایسے دوستو مری
ہوا نہ سر پہ آسماں تو زیرِ پا زمیں نہیں

۲۷ ستمبر ۲۰۲۳

موج موج ہی نہیں موج گر رواں نہیں
کب ہوئی بہار وہ جس میں ہو فغاں نہیں

مرگ ناگزیر ہے رنج سے نجات کو
سچ کہوں تو دوستو رنج یہ گراں نہیں

چاہتے نہیں اگر بات ہی سمجھنا تو
حالِ دل کسے کہیں جب ہو ہم زباں نہیں

عذر کیجیے ضرور پر دھیان میں رہے
جھوٹ بولیے جو ہو چہرے سے عیاں نہیں

حال پوچھتے ہو کیوں غمگسارو تم مرا
شدّتِ غم و الم قابلِ بیاں نہیں

خون رو رہا ہے دل داغ ہو گیا جگر
کیوں نہ ہوں مُصِر کہ یہ موسمِ خزاں نہیں

آہ ہے وہی مفید نکلے تیرے دل سے جو
ہے عبث ہر آہ جو سُوئے لامکاں نہیں

ابتسامِ چہرہ پر کیوں کروں یقین میں
کس دلِ شگفتہ میں سوزشِ نہاں نہیں

۲۳اکتوبر۲۰۲۲

مٹتا نہیں وہ نقش مٹانے کے بعد بھی
آتا رہا وہ یاد بھلانے کے بعد بھی

کھائی تو تھی قسم کہ نبھائیں گے ساتھ پر
اب دیکھتا ہے راہ وہ جانے کے بعد بھی

انصاف یہ کہاں کا کہ کرتے رہے ادا
ہم زندگی کا قرض چکانے کے بعد بھی

آنکھوں نے دردِ دل کو ہویدا کیا ہے پھر
چھپتا نہیں کبھی یہ چھپانے کے بعد بھی

آیا نہیں قرار دلِ زار کو مگر
سینے میں بزمِ درد سجانے کے بعد بھی

دیکھو مرا نصیب کہ درماں طلب رہا
میں جنگلوں کی خاک اڑانے کے بعد بھی

طے ہوسکا نہ مجھ سے سفر زیست کا مگر
چلتا رہا وہ ہاتھ چھڑانے کے بعد بھی

۴مارچ۲۰۲۳

مدّت ہوئی ہمیں کہ اسیرِ عذاب ہیں
حالات زندگی کے ابھی تک خراب ہیں

آیا عجیب وقت کہ جو تھے چلے گئے
پیچھے جو رہ گئے ہیں وہ پا در رکاب ہیں

تھیں خواہشاتِ زیست جو سب حسرتیں بنیں
حالت یہ ہے کہ خواب بھی اب محوِ خواب ہیں

کیوں گوش وہ کریں گے تمہاری نصیحتیں
کیوں پند وہ سنیں گے کہ مستِ شباب ہیں

کہنے لگے کہ وجہ کوئی خاص تو نہیں
پوچھا کسی نے اُن سے کہ کیوں پُرعتاب ہیں

میں نے کہا کہ چہرہ دکھائیں مجھے کبھی
کہنے لگے کہ آپ بہت بے حجاب ہیں

ہر شے پہ اعتبار نہ کر بیٹھنا کہیں
اس راہِ عاشقی میں بہت سے سراب ہیں

ہم کو نہیں ہے شمع کی حاجت ابھی یہاں
رخشاں ہوئی یہ رات کہ وہ بے نقاب ہیں

ہے تیرے رحم کی تو کوئی انتہا نہیں
یارب مرے گناہ مگر بے حساب ہیں

۲۷ جون ۲۰۲۲

مجھے یاد آتا ہے عہدِ شباب
وہ اربابِ عشرت وہ چنگ و رباب

ابھی دور ہے شہرِ امید کچھ
کہ تھا نقشِ منزل نظر کا سراب

ہیں معتوب پھر سے بس اس بات پر
کہ ہم کیوں رہے بے نیازِ عتاب

بِنا یار جیتا ہوں کچھ اِس طرح
ہے مرنا محال اور جینا عذاب

کرے کیوں کسی پر کوئی اعتبار
بہت آج کل ہے زمانہ خراب

ستائے ہے پھر یادِ رفتہ مجھے
اِدھر ساقیا ایک جامِ شراب

قیامت بپا ہوگی محشر کے روز
اگر بھول جائیں وہ لینا نقاب

نہ جینے کی شہہ دے مجھے آج پھر
عناں گیر چھوڑ اب ہے پا در رکاب

۱۷اگست ۲۰۲۴

نہ ہوتے شمعِ رُخ جو تم تو پروانے کہاں جاتے
تری محفل نہ ہوتی تو یہ دیوانے کہاں جاتے

ذرا دیکھو کہ شوخی ان نگاہوں سے چراتی ہے
نہ ہوتا شوخ دیدہ تو یہ مستانے کہاں جاتے

کہو تم ہی اسیرانِ ادائے کافرانہ پر
نہ آتا سر جھکانا تو یہ بت خانے کہاں جاتے

سبھی بادہ کشانِ عشق اٹھتے جا رہے ہیں یاں
نہ ہم توبہ شکن ہوتے تو میخانے کہاں جاتے

محبت میں سہا ہم نے خوشی سے داغِ بدنامی
نہ ہوتے ہم اگر رسوا تو پہچانے کہاں جاتے

چھپاتے ہی رہے خود کو اے حسنِ خودنظر ہم سے
نہ ہوتا آئینہ تو آپ شرمانے کہاں جاتے

ٹپکتی ہے دلِ سالکؔ سے رشکِ دشت ویرانی
بسا لیتے نہ دل میں تو یہ ویرانے کہاں جاتے

۱۳ جنوری ۲۰۲۴

نہ جانے کیا لکھیں گے آج نامہ کے جواب میں
گزر گئی تمام رات یوں ہی اضطراب میں

کبھی تو اک نگاہِ ناز اس غریب پر بھی ڈال
یہی ذرا سی عرض ہے مری تری جناب میں

نہیں ہے شوق پینے کا مگر پلائے جا مجھے
سرودِ رفتہ ڈھونڈتا ہوں ساقیا شراب میں

وہ آزما رہے تھے اک نگاہِ شوق کو مگر
ہوا وہ حسن آشکار اور بھی نقاب میں

میں راہ دیکھتا رہا تمام عمر ہی مگر
ہوا وہ انتظار ختم پا ہے اب رکاب میں

وہ یادِ رفتہ ہوگئی پھر آج تازہ دیکھ کر
رکھے تھے احتیاط سے جو پھول اک کتاب میں

ہو عاشقوں کو آس کیوں سکوں کی دشتِ عشق میں
ہو منزلِ گمان جب یقین کے سراب میں

نہیں سمجھ میں فہم کی عدم سے ہو وجود کیوں
چھپا رکھا ہے قلزمِ حیات اِک حباب میں

۱۴ اپریل ۲۰۲۳

نہ جانے زیست میں کیوں اب وہ آب وتاب نہیں
سرودِ درد نہیں کیفِ اضطراب نہیں

دلِ اداس کی آواز کیوں سنے گا کوئی
ہے سسکیوں کی صدا نغمۂ رباب نہیں

گھر آکے کہنے لگا عالمِ نورد مجھے
جہاں میں تجھ سا کوئی خانماں خراب نہیں

خوشی سے جھوم اُٹھی وہ کہا جو ہم نے اسے
ستمگری میں ترا آج بھی جواب نہیں

ہوا ہے گرم جو بازارِ قتل آج یہاں
تھی اُن کی بھول کہ آئے تو تھا نقاب نہیں

خدا کرے کہ مجھے بھول جائے راہ گزر
ہے راستہ تو وہی پر وہ ہمرکاب نہیں

اسیرِ دام فریب اب ہوا فریب شناس
کہ راستے میں مرے اب کوئی سراب نہیں

۲۶ فروری ۲۰۲۳

نہیں مجھے ہے عزیز تجھ سے زیادہ کوئی
ملا نہ دل میں ترے مگر در کشادہ کوئی

کرے بھلا کیسے منزلِ شوق کا تعین
رہِ محبت میں نقشِ پا ہے نہ جادہ کوئی

نگاہِ جادو سے مل گئی چشمِ منتظر جب
کہو ذرا کیوں کرے گا پھر شغلِ بادہ کوئی

اسے ملا ہی نہیں خریدارِ جذبۂ شوق
گزر گیا پیچھے چھوڑ کر لوحِ سادہ کوئی

نفاق کا بیج بو رہا ہے کوئی اگر تو
پہن کے نکلا ہے مصلحت کا لبادہ کوئی

سفر بھی ہو دھوپ میں ہو منزل بھی دور از راہ
کرے گا پھر ساتھ کیوں سفر کا ارادہ کوئی

ہوا ہے رسوا پھر آج اُس کی گلی میں کوئی
چلا ہے دشتِ جنوں کو پھر پاپیادہ کوئی

تلاش میں دامِ زلف ہو شوخ ہو ادا بھی
نہ کیوں کرے رسمِ دلبری کا اعادہ کوئی

۸ مارچ ۲۰۲۴

نگاہِ مست سے گھائل مرا جگر ہوگیا
وہ ایک لمحہ سدا کے لیے امر ہوگیا

پڑی ہے جب سے نظر اُس رُخ و دہن پہ مری
نگاہ بازی مرا مطمحِ نظر ہوگیا

ملا مصاحبِ تنہائی تیرے بعد بھی اک
رہِ فراق میں غم میرا ہمسفر ہوگیا

جسے اکھاڑنا چاہا تھا آندھیوں نے کبھی
وہی نہالِ چمن اک گھنا شجر ہوگیا

سمجھ لو مل گئی معراج عاشقی کی اسے
جنونِ شوق میں جو خود سے بے خبر ہوگیا

یہ کیا ہُوا کہ پریشان ہیں چمن میں سبھی
کہ آج نالۂ بلبل بھی بے اثر ہوگیا

اٹھا نقاب تو محفل میں خامشی چھا گئی
سیاہ زلف کھلی جب تو غُل غدر ہوگیا

۱۲مارچ ۲۰۲۳

نگاہِ ناز جب دلِ فسردہ میں اُتر گئی
اٹھی امنگ جینے کی یہ زندگی سنور گئی

جلی تمام رات شمع سوزِ انتظار میں
گزر گئی شبِ فراق صبح چشمِ تر گئی

ہوا نہ حشر ہی بپا نہ آسماں گرا کہیں
کسی کی آہِ نیم شب پھر آج بے اثر گئی

خیالِ خام ہوگئی تھی آرزوئے دید جو
غبارِ انتظار میں ہی زندگی بسر گئی

رہی نہ تاب دید کی نگاہِ خیرہ میں کہ تھا
ترا ہی جلوہ چار سُو جہاں تلک نظر گئی

جنونِ عشق نے کیے کچھ اس طرح حواس گم
ہوئی خبر نہ شام کی نہ جانا کب سحر گئی

چھپا ہوا تھا ماہتاب دامنِ سحاب میں
اٹھا نقاب چہرے سے تو چاندنی بکھر گئی

۲۴اپریل ۲۰۲۴

نکلنا دام سے کوہِ گراں ہے
کرے تو کیا جو صیدِ ناتواں ہے

قرار آئے تو کیوں چاروں طرف اک
ہجومِ ماتمِ عمرِ رواں ہے

کروں کیونکر تغافل کا گلہ اب
کہ مجھ پر تہمتِ شعلہ زباں ہے

چلے مسجد کو بادہ خوار سب ہی
کہا ساقی نے جب بانگِ اذاں ہے

ہُوا جب ذِکر میرا تو کہا کون؟
وہی پاگل جو رسوائے جہاں ہے؟

نظر بھر دیکھتا کیسے اسے میں
مجھے پاسِ حجابِ عاشقاں ہے

کوئی چارہ نہیں سالکؔ بجز صبر
تجھے بیمارئ عشقِ بتاں ہے

۲۹ نومبر ۲۰۲۴

تھی انتظارِ مجسم بھری جوانی مری
ترے بنا ہوئی بے کیف زندگانی مری

سرودِ رفتہ کو پھر گنگنا رہا ہے کوئی
پھر آج دکھنے لگی چوٹ اک پرانی مری

میں دیکھتا ہوں تری راہ اے پیامِ اجل
کہ ہو گئی ہے بہت تلخ زندگانی مری

نہ ہم نے بجھنے دیا شمعِ آرزو کو کبھی
گزر گئی رہِ امید پر جوانی مری

ہوئی خبر نہ کسی کو غمِ دروں کی یہاں
دھواں دھواں بھی ہوئی سوزشِ نہانی مری

نہ دیر کر کہ ہوئی مہلتِ حیات تمام
پکارتی ہے مجھے مرگِ ناگہانی مری

سنا جو طاقتِ دیدار کا بیان کبھی
کہا اسے بھی خواہوں نے لن ترانی مری

۲۳ ستمبر ۲۰۲۳

پتا نہ تھا کہ کھلی آنکھ تو عدم ہوگا
یہ فصلِ زیست واجل تو بس اک قدم ہوگا

فراق دیدہ جگر سوختہ دلِ تفتہ
مرے فسانے کا عنوان جب رقم ہوگا

دیا نہ جینے مجھے انتظارِ حلت نے
نہ آئی اب بھی اگر تو بڑا ستم ہوگا

جو عندلیب نے آنے کی وجہ پوچھی تو
کہا گلوں میں کہیں بیوفا صنم ہوگا

خلافِ ظلم و ستم احتجاج لازم ہے
زبان کاٹ دی تو ہاتھ میں قلم ہوگا

ترا خیال مجھے جینے ہی نہیں دیتا
جو کر دے یاد سے بیگانہ تو کرم ہوگا

الجھ گئی ہے کہیں پھر سے آنکھ سالکؔ کی
ضرور آپ کی زلفوں کا پیچ وخم ہوگا

۲۱ ستمبر ۲۰۲۲

پھر کرے ہے بے مہار اک غمزۂ بیجا مجھے
اک نگاہِ بے محابا نے کیا رسوا مجھے

آتشِ عشقِ بلا میں یوں نہ جلتا میں کبھی
تُونے یارب گر دیا ہوتا لبِ گویا مجھے

ذِکر جب میرا ہوا تو بولے وہ دیوانہ ہے
کیا کہوں اچھا لگا اُن کا یہی کہنا مجھے

جانتا بھی ہوں کہ وہ وعدہ وفا کرتے نہیں
دے گیا اُمیّد پھر بھی وعدۂ فردا مجھے

آرزو کش ہی رہا میں لذّتِ آزار کا
کیوں نہیں دیتا ہے دردِ ہجر اب ایذا مجھے

جب سنی اُس نے تمنّا اک نگاہِ مہر کی
تو وہ بولا ہے تلاشِ سایۂ عنقا مجھے

تشنۂ صحبت کو مشکل ہوگیا جینا یہاں
بیت جاتی گر نہ ہوتا روز کا مرنا مجھے

ڈر نہیں ہے برق کا ہو آشیاں کی فکر کیوں
ہوں قفس میں تو نہیں صیّاد کا کھٹکا مجھے

بن پیے ہی اُٹھ گیا سالکؔ لبِ تشنہ پھر آج
مر گیا تو گاڑ دینا تم لبِ دریا مجھے

یکم ستمبر ۲۰۲۴

○

پھر نہ رکھا ربط اُس کے شہر سے
کیوں رکھیں امید اک بے مہر سے

کہہ گئے تھے آئیں گے وہ شام کو
تو رہے ہم منتظر دوپہر سے

مل گیا سب ہی سوالوں کا جواب
بے دہن کی اک نگاہِ قہر سے

تل گیا جب دل ہی مرنے پر تو پھر
کیوں کروں شکوہ بتانِ دہر سے

لطف پایا زیست کا ہم نے تو صرف
دل میں اُٹھتی درد کی اک لہر سے

عشق کی سختی اسی سے پوچھیے
نعش نکلی جس کی دودھی نہر سے

آرزوئے دید میں مرتا ہے جو
کیوں ڈراتے ہو اسے تم زہر سے

۲۲ اگست ۲۰۲۲

پھول مرجھاتا نہیں ہے باغ مہکائے بِنا
سامنے آتا نہیں وہ آگ دہکائے بِنا

ڈر ہے بینِ چشم و دل نے رزم ہو جائے کہیں
دی جگہ دل میں انہیں آنکھوں کو بتلائے بِنا

شمع سا دل چاہیے نالہ رسائی کے لیے
روشنی دیتی نہیں جو خود کو پگھلائے بِنا

کیوں کوئی مرہونِ منّت ہو کسی انسان کا
بات کرتا جو نہیں احسان جتلائے بِنا

دبدبہ ہے اس قدر اُس حسنِ عالم تاب کا
مدّعا دل کا بیاں ہو کیسے ہکلائے بِنا

کل شبِ ہجراں میں اُن کی یاد آئی اِس قدر
سو گئے ہم روتے روتے خود کو بہلائے بِنا

عمر بھر آئے نہیں انداز مرنے کے ہمیں
ڈھنگ جینے کے سکھا دے کوئی اُکتائے بِنا

۱۳ جولائی ۲۰۲۲

پھول مسکرا دیے جب وہ لب کشا ہوئے
کچھ جگر لہو ہوئے چاک کچھ قبا ہوئے

چشمِ مست کا فسوں کون سہہ سکا یہاں
ایک ہی نظر میں ہم جان سے فدا ہوئے

شوقِ دید دیکھنا آرزو پسند کی
کوچۂ ستم گراں ہم ترے گدا ہوئے

اب بھی یاد ہے مجھے سانحہ فراق کا
اک اداس شام تھی تم سے جب جدا ہوئے

کج ادائی دیکھنا یار کی مرے ذرا
ہم نے جب گلہ کیا ظلم اور سوا ہوئے

بال و پر شکستہ تھے در کھلا قفس کا جب
زیرِ دام آ گئے جیسے ہی رہا ہوئے

راہِ شوق جو چلے تابِ ضبط تھی جنہیں
ساقیا بتا ذرا وہ میخوار کیا ہوئے

۳۱ جنوری ۲۰۲۴

پوچھا کہ ہے کون مہ لقا وہ
دیکھا جس نے ہُوا فنا وہ

یارو نہ کیا ہو عشق جس نے
کیا جانے درد کا مزا وہ

اک نظرِ کرم کا تھا کبھی سے
ہے اب بھی منتظر گدا وہ

طوفان میں جو بکھر گیا تھا
آتا ہے یاد گھونسلا وہ

ہے میری دعا ہو عاشقی کے
مرضِ مہلک میں مبتلا وہ

عصمت کا یقیں دلائے کس کو
دیتا ہے دشت میں صدا وہ

تھے خاطی جرمِ عشق کے جو
ٹھیرے ہیں قابلِ سزا وہ

آنکھوں میں چمک لبوں پہ شوخی
محشرانگیز ہے ادا وہ

دنیا میں حسین تو بہت ہیں
لیکن دنیا سے ہے جدا وہ

۲/اکتوبر ۲۰۲۲

قافلے منزل ہوئے سب پیچھے رہبر رہ گئے
وہ زمیں زرخیز تھی یہ کھیت بنجر رہ گئے

طور ٹکڑے ہو گیا اور ہوش موسیٰ کے اڑے
دیکھ کر جلوہ ترا موجود ششدر رہ گئے

بھولنا بس میں نہیں اور سوچ تابع کب ہوئی
ہم کریں آنکھوں کا کیا جن میں وہ منظر رہ گئے

عمر بھر ڈرتے رہے ہم کھولنے سے بھید کو
دل میں تھے ارمان جو دل میں ہی مضمر رہ گئے

پیروی کرتے رہے مجنوں کی ہم جو عمر بھر
بس ہمیں لڑکوں کے ہاتھوں کھانے پتھر رہ گئے

جو سمجھتے تھے حسیں اُن سا نہیں جگ میں کوئی
دیکھ کر آئینہ منہ اپنا سا لے کر رہ گئے

رِیت دنیا کی یہی ہے کچھ گئے کچھ جاتے ہیں
بادہ کش سب اُٹھ گئے بھٹی میں ساغر رہ گئے

اب اُٹھا لو فائدہ شاید نہ پھر موقع ملے
وہ بھی دل پر اب چلا دو جو تھے نشتر رہ گئے

رات گہری ہو چلی سڑکیں ہوئیں سنسان سب
سب گئے اپنے گھروں کو ہم ہی بے گھر رہ گئے

۴ جولائی ۲۰۲۲

قسمت میں لکھے کو کوسنا کیا
پارینہ قصّہ چھیڑنا کیا

ہو جلوہ فروز دلربا تو
نیرنگِ جہاں کو دیکھنا کیا

لازم ہے بِسرنا زیست کو پر
جینا ہی نہیں تو بھولنا کیا

ملنا ہے نہیں جواب جس سے
ایسے ساجن سے پوچھنا کیا

معلوم نہ ہو جسے وفا کا
تو ایسے صنم کو پوجنا کیا

جو بزم کرے نہیں گوارا
ایسی محفل میں بیٹھنا کیا

نکلے تھے جہاں سے ہو کے رسوا
پھر اُس جنّت میں لوٹنا کیا

جب زخمِ جگر ہرے ہوں یارو
تو ناخنوں کو تراشنا کیا

جن کو آتا نہ ہو منانا
سالکؔ کو اُن سے روٹھنا کیا

۱۵ستمبر۲۰۲۲

راہ میں رکا نہیں گو تھکن سے چُور تھا
یہ زمین سخت تھی آسمان دور تھا

جاں بلب ہوئے مگر حالِ دل نہ کہہ سکے
عشق کو انا کا پاس حسن کو غرور تھا

روگ اک لگا لیا چینِ دل لٹا دیا
عشق سمجھے تھے جسے عقل کا فتور تھا

سوچتا ہوں اب یہی دن کہاں گئے وہ جب
وصل میں خمار تھا ہجر میں سرور تھا

لڑکھڑا گئی زبان تو کبھی قدم مرے
کہہ سکا نہ وہ کبھی کہنا جو ضرور تھا

قلبِ ناصبور کو پھر سکوں نہیں ملا
دل کو کیوں سزا ہوئی آنکھ کا قصور تھا

زلفِ تاب دار کی تاب لا سکے نہ ہم
حالِ دل نہ پوچھیے مثلِ کوہِ طور تھا

۱۸ مئی ۲۰۲۴

راس نہ آیا مجھے عالمِ ناسوت بھی
تنگ کرے اب مجھے تختۂ تابوت بھی

سب کی زباں پر یہی حسن یہ دیکھا نہیں
پنجۂ مژگان بھی یہ لبِ یاقوت بھی

شان خدایا تری دیکھ کے حیران ہے
سرمدِ ہشیار بھی دانشِ مبہوت بھی

جلوہ ترا ہر جگہ عام ہُوا اے خدا
دنگ ہے انسان بھی عالمِ ملکوت بھی

رحم کی امید پر بیٹھے ہیں سب ہی یہاں
رندِ سیہ مست بھی طائرِ لاہوت بھی

۱۸ فروری ۲۰۲۳

راتوں کی تنہائی میں دل میں اک خیال اکثر اٹھا
ہے موتیوں سے کیا تجھے تُو راہ کے کنکر اُٹھا

جب دل ہوا بیزار اس ہنگامۂ خاموش سے
جامِ عدم پر آس تھی جب فتنۂ محشر اُٹھا

کرتا ہی کیا جو گُل نہ ہوتا آندھیوں کے زور سے
اُن کے مقابل جب چراغِ سوختہ اختر اُٹھا

جب عشق کے بازار میں نیلام ہونے کو گیا
قیمت لگانے کو مری اک بندۂ بے زر اُٹھا

بابِ اجابت کھولنے کو چاہیے آہِ جگر
اے سائلِ خوددار دل سے نالۂ مضطر اُٹھا

جب حضرتِ ناصح نے چکھی ہی نہیں تو کیوں سنیں
یہ وقت توبہ کا نہیں اے ساقیا ساغر اُٹھا

ہیں مارنے کے اور بھی ڈھنگ اس تغافل کے سوا
اک تیرِ غمزہ پھینک یا شمشیر دو پیکر اُٹھا

۱۹ اکتوبر ۲۰۲۴

رہبر ہی رہزن ہوں تو اہلِ قافلہ پھر کیا کریں
وہ رہروانِ قافلہ تب حوصلہ پھر کیا کریں

امید کی کوئی کرن ہم کو نظر آتی نہیں
سب دکھ ملے اپنوں سے غیروں سے گلہ پھر کیا کریں

جن کی انا روکے انہیں پاسِ وفا سے دوستو
آنے لگے جب قربتوں میں فاصلہ پھر کیا کریں

کیونکر اٹھائیں لطف ہم اب لذّتِ آزار سے
جب منہ چھپائیں خار تو پُرآبلہ پھر کیا کریں

تشنہ لبی کا سوچ کر اُس بے بسی کو دیکھ کر
روئیں نہیں تو زائرینِ کربلا پھر کیا کریں

ہر بات پر تنقید کرنا کچھ مناسب تو نہیں
تُو ہی ذرا کہہ دے انہیں یہ مبتلا پھر کیا کریں

زلفوں کے سائے میں ادائے بے نیازی دیکھ کر
آئے سمجھ میں کچھ نہیں تو ہم بھلا پھر کیا کریں

۲۱ مئی ۲۰۲۴

○

رکھوں قدم میں جہاں وہی راہِ عاشقاں ہو
کہ دل نے چاہا ہے پھر کوئی سوزشِ نہاں ہو

شبِ گراں تو گزر گئی پر نہ پوچھ کیسے
رہی تمنا یہی کہ اک صبح ضوفشاں ہو

خیال رکھنا جفا سے پہلے ستمگرو تم
مقامِ مقصودِ آہ جب عرشِ لامکاں ہو

ترے لیے بس یہی دعا ہے مرے ستمگر
کہ عرش ہو آشیاں ترا فرش آسماں ہو

پڑا رہوں در پہ تیرے اب آرزو یہی ہے
مری جبیں ہو جہاں تری خاک آستاں ہو

پھر اک خلش کی تلاش میں خوگرِ الم ہے
کرے گا کیا عشق وہ جہاں حسن مہرباں ہو

عجب ہے رسم و رواج عالم یہاں پہ لوگو
ہوا ہے لازم کہ راہزن میرِ کارواں ہو

۱۱ اکتوبر ۲۰۲۳

○

رکھتے ہو پُرنم عاشقوں کو تشنۂ دیدار تم
اب دل کے رکھنے کو ہی کر لو جرم کا اقرار تم

یکبارگی تو چاند بھی ہوتا نہیں ظاہر کبھی
پھر کیوں نقاب اُٹھاتے ہو چہرے سے یوں یکبار تم

پوچھی مجھے جو دوستوں نے وجہ الفت تو کہا
جانو گے تب کھا لو گے جب تیرِ نگاہِ یار تم

رہنا ذرا چوکس وہاں جو بھی گیا عاشق ہُوا
جا تو رہے ہو دیکھنے وہ زلفِ عنبر بار تم

تم شیوۂ بیداد کا شکوہ کرو اُن سے ضرور
پر بے خودی میں کھو نہ دینا قوتِ گفتار تم

کچھ مختصر کر لو شبِ غم کی طوالت دوستو
آؤ سنو مجھ سے حکایاتِ لب و رخسار تم

ہے ناز یوسف سا اگر ہونے پہ اتنا ہی تمہیں
تو یہ بتاؤ کب ہوئے تھے زینتِ بازار تم

تھیں آخری سانسیں مری آیا خیال اک جب مجھے
منزل بلاتی ہے تمہیں پر ہو نہیں تیار تم

میری وفاؤں پر یقیں آتا نہیں ہے گر تمہیں
گردن جھکی ہے سامنے لو ہاتھ میں تلوار تم

کس نے کہا تھا یہ تمہیں آساں ہے عشق و عاشقی
سالکؔ کہو کیوں ہو گئے ہو جان سے بیزار تم

۱۱ دسمبر ۲۰۲۲

رہنے دو سر پہ میرے ابھی سائبان کو
لگنے لگا ہوں پھر سے برا آسمان کو

آنکھیں کسی کو دشت میں کرتی ہیں پھر تلاش
مجنوں کا دے سراغ کوئی ساربان کو

دل میں ہی رہ گیا وہ جو کہنا تھا آج پھر
غارت کرے خدا ترے اس پاسبان کو

بلبل ہے نغمہ سنج پرندوں میں جوش ہے
ہے آمدِ بہار کہو باغبان کو

پیغام دے کوئی اسے یہ آخری مرا
بس ایک بار دیکھ لے اِس نیم جان کو

پروانے سے کہو کہ جب آئے وہ بزم میں
دینا سکھا دے جان ذرا عاشقان کو

آیا نظر کسی کو نہ پھر رہنما کبھی
جب رہزنوں نے لوٹ لیا کاروان کو

کرتا ہے عذر وہ مجھے پہچاننے سے آج
جس کے لیے ٹٹول لیا دوجہان کو

راہِ وفا میں جان اگر ہار دی تو کیا
آئے گا کیوں یقین کسی بدگمان کو

۳ جولائی ۲۰۲۲

روتا ہوا گیا وہ آیا جو روکنے کو
آنکھیں ترس گئی ہیں اب اُن کے دیکھنے کو

عادت نہیں ہے یارو ایفائے قول اُن کو
کرتے ہیں جان لو وہ پیمان توڑنے کو

تیغ نگاہ اُس کی تھی دل فریب اتنی
مجبور ہوگیا میں قاتل کے چاہنے کو

کرتے ہیں پیش جب بھی نذرانہ جان کا تو
کہتے ہیں چاہیے ہے کچھ وقت سوچنے کو

گاہک ملا نہیں تو لوٹے اسی طرح وہ
بازار جو گئے تھے ایمان بیچنے کو

قسمت میں عاشقوں کے لکھا ہے بس یہی اب
کہتے ہیں رستگاری گھنگرو کے بولنے کو

کرنی ہے غمگساری اے ناشناسِ غم تو
جھانکو مرے جگر میں دردوں کے جاننے کو

۱۹ اگست ۲۰۲۳

روز یاد کرتا ہوں روز ہی جتاتا ہوں
پر تجھے بھلانے کا قول بھول جاتا ہوں

دل کے آئینہ پر اک نقش اُس کی یادوں کا
اتنا ہی اُبھرتا ہے جس قدر مٹاتا ہوں

جب کوئی نہیں ہوتا رات کی سیاہی میں
نام کی تمہارے اک بزم میں سجاتا ہوں

سامنے نہیں آتا یار گر مرے تو کیا
دل میں جھانک کر اپنی تشنگی بجھاتا ہوں

راستے کی تاریکی دور ہو اگر تو کیوں
آندھیاں پلٹتی ہیں شمع جب جلاتا ہوں

خضر کا کرے ہو تم انتظار کیوں لوگو
جو بھٹک گئے اُن کو راہ میں دکھاتا ہوں

دل کو اِک شکایت ہے چشمِ شوخ سے سالکؔ
کرتی ہے عیاں وہ سب میں جسے چھپاتا ہوں

۲۳ جولائی ۲۰۲۲

رک کہ بہت رات پڑی ہے ابھی
اور پہر شمع کھڑی ہے ابھی

فصلِ خزاں دور نہیں عندلیب
پھول کی اک پتی جھڑی ہے ابھی

ٹھیر مرے پاس ذرا دیر اور
زندگی دوچار گھڑی ہے ابھی

کہتے ہیں سب ہی جسے نخوت پرست
اُس سے مری آنکھ لڑی ہے ابھی

سایۂ گیسو میں بٹھا لے مجھے
سر پہ مرے دھوپ کڑی ہے ابھی

میں نے کہا پیار کریں تو کہا
جلدی ہے کیا عمر بڑی ہے ابھی

دیکھ کے وہ حال مرا رو دیے
ایک صدا کان پڑی ہے ابھی

۲۹ مارچ ۲۰۲۳

○

رسوا نہ کرتی یوں جہاں میں خواہشِ وصلت مجھے
کوئی سکھاتا جیتنا گر بازئ الفت مجھے

کچھ تو قصور اُن کی تغافل دوستی کا بھی رہا
اور کچھ انا نے میری رکھا تشنۂ صحبت مجھے

دیکھیں کبھی وہ بھی گرانئ شبِ ہجر اے خدا
اور پھر سنائیں داستانِ عالمِ فرقت مجھے

وعدہ کیا ہے اک سکونِ دائمی کا مرگ نے
شہہ دے رہی ہے جینے کی رنگینئ فطرت مجھے

تب ہی مجھے آیا سمجھ عشق بتاں آساں نہیں
سہنا پڑا جب دلربا کا نشۂ نخوت مجھے

دیکھو دلِ نادان کو ہوتا ہے پُرامیّد یہ
جب صبحِ نو کی آس دیتی ہے شبِ ظلمت مجھے

تھا ہی نہیں گر لوٹنے کا قصد تو پھر کیوں گئے
دے کر دلاسا واپسی کا وہ دمِ رخصت مجھے

ہیں حسرت و ارمان دل میں اس قدر اب دیکھیے
دیتی ہے جینے کب تلک یہ آتشِ حسرت مجھے

۲۵ مارچ ۲۰۲۴

رُت بدل رہی ہے پھر بادِ نو بہاری ہے
زخم ہوگئے تازہ وقتِ اشکباری ہے

کیوں پڑوس میں اُس کے گھر بھلا بناؤں گا
میں ہوں شیشہ گر اُس کا کام سنگباری ہے

کب سے ہے خردآشوب حالتِ جنوں میری
جنگ جو لڑا تھا کل آج بھی وہ جاری ہے

کیا کہوں انہیں اب میں تیر جوڑتے ہیں پھر
جانتے ہیں گرچہ وہ زخمِ کہنہ کاری ہے

ضبطِ غم کا دعویٰ ہے پاسِ وضعِ غم بھی ہے
چھوڑ دو مجھے تنہا آج رات بھاری ہے

سوزِ آتشِ غم سے دل پگھل گیا میرا
جیسے شمع جلتی ہو عمر یوں گزاری ہے

گردِ راہ جب دیکھی تو یہی خیال آیا
دشت گرد مجنوں کو لیلیٰ کی سواری ہے

۱۲ اکتوبر ۲۰۲۴

سامنے ترے گھر کے گر مرا بھی گھر ہوتا
دیکھتا تجھے ہر دَم یوں نہ دربدر ہوتا

انتظار کر لیتا اور تیرے آنے کا
وعدے پر ترے مجھ کو اعتبار گر ہوتا

سفر زیست مشکل تھا پر گزر ہی جاتا گر
راہ میں کہیں مجھ کو مل گیا خضر ہوتا

دھوپ کی تمازت سے کچھ بچاؤ ہو جاتا
دشتِ زندگانی میں گر کوئی شجر ہوتا

چھوڑ کر مجھے تنہا تم اگر نہ جاتے تو
میرے آسماں پر بھی آج اک قمر ہوتا

ہوتا شوقِ رسوائی گر مجھے تو لازم تھا
یار کی گلی سے بھی ایک دن گزر ہوتا

اس قدر عداوت ہے جانے کیوں انہیں مجھ سے
سنگبار ہوتے وہ گر میں شیشہ گر ہوتا

۱۱ فروری ۲۰۲۳

ساقیا کریں ہیں وہ شکوہ نارسائی کا
جو پہن کے آئے ہیں جامہ پارسائی کا

بے نقاب ہونے کا اہتمام ہے شاید
حسن کو ہُوا ہے پھر شوق خودنمائی کا

چشمِ منفعل دیکھی دشمنِ وفا کی جب
تو ہُوا یقیں اس کو معجزہ نمائی کا

تب ہُوا ہمیں معلوم تھا مدارِ زیست اُن پر
کر سکے نہ جب برداشت حادثہ جدائی کا

حسن کے تغافل کو کر سکے نہ مائل تو
عاشقوں نے تب جانا درد آشنائی کا

بے خبر ہُوا ہے کب حسنِ خودنگر لوگو
آئینہ ہُوا شاہد اُن کی خودستائی کا

ہوگئے مرے دشمن سب ہی عاشقانِ زار
جب ملا شرف تیرے کوچہ کی گدائی کا

کیوں ہُوا تعجب جب لائقِ سزا ٹھیرا
حکم ہو زباں بندی جرم لب کشائی کا

۲۵ نومبر ۲۰۲۳

○

سب ستارے سو گئے میں ہی جاگتا رہا
بدلیوں کی پشت سے چاند جھانکتا رہا

دردِ ہجر آج پھر بڑھ گیا ہے اِس قدر
کر کے یاد پھر انہیں میں کراہتا رہا

خشک ہوتے زخم کو تازہ رکھنے کے لیے
ناخنوں سے رات بھر میں کریدتا رہا

خامشی کی تھاپ پر کل شبِ سیاہ میں
اک چراغ کا دھواں دور ناچتا رہا

دردِ دل عزیز ہے کم ہُوا اگر کبھی
کچھ نمک چھڑک کے میں اس کو پالتا رہا

آہ چیرتی رہی رات کی خموشی کل
دادگر ملا نہ پر میں پکارتا رہا

دوش بے وفائی کا دو نہ تم مجھے کہ میں
دیکھ کر جفائیں سب پھر بھی چاہتا رہا

۱۵ اکتوبر ۲۰۲۲

○

صدمۂ ہجر چھپائے رکھنا
درد سینے میں دبائے رکھنا

ہو گزر اہلِ کرم کا شاید
بوریا اپنا بچھائے رکھنا

دے صدا رقص کناں پروانہ
آتشِ شوق جلائے رکھنا

وہ نہیں ہے تو غمِ ہجراں سے
خانۂ دل کو سجائے رکھنا

ہے بہاروں سے تمھیں کیا بس تم
کنجِ زنداں کو بسائے رکھنا

بے وفا ہی سہی وہ لیکن تم
رسمِ الفت کو نبھائے رکھنا

گزرے شاید یہاں سے دیوانہ
سنگ ہاتھوں میں اٹھائے رکھنا

۷ ستمبر ۲۰۲۴

صنم کے لیے عمرِ فانی گنوا دی
اشارہ ہوا اک تو گردن کٹا دی

جفاکیش مشہورِ عالم ہوا جو
اسی کے لیے اک جوانی لٹا دی

گئے وہ جہاں بھی جھجک کے بنا ہی
وہی راہ پلکوں سے ہم نے سجا دی

ہوئے مجھ سے ناراض شوخی پہ میری
مگر دیکھ کر غیظ ہم نے دعا دی

لکھا حالِ دل ایک کاغذ پہ لیکن
ذرا سوچ کر پھر وہ چٹھی جلا دی

ہوئی شمع روشن کبھی جھونپڑی میں
اسی وقت وہ آندھیوں نے بجھا دی

ہوا مرتکب عشق کے جرم کا تُو
گلہ کر نہ بے جا تجھے کیوں سزا دی

۷ اکتوبر ۲۰۲۲

صنم ملا جو کبھی مائلِ وفا نہ ہوا
جسے بھی دوست کہا تو وہ آشنا نہ ہوا

کبھی کی آ کے گزر بھی گئی بہارِ چمن
اسیرِ دامِ رگِ گل مگر رہا نہ ہوا

اٹھا نہ سر وہ کبھی کاٹ گرنے سے جو ڈرا
ہر ایک در پہ جھکا تن سے گر جدا نہ ہوا

کوئی دکھائے دلِ مضطرب کو زارِ سکون
کہ ایک تیرِ نظر آج پھر خطا نہ ہوا

نہیں فریب میں آیا نگاہِ ناز کے جو
بس ایک وہ ہی رہِ یار کا گدا نہ ہوا

انہیں خوشی کہ وہ کر بیٹھے اعترافِ جفا
مجھے ملال میں مستلزمِ سزا نہ ہوا

اٹھا جو ماہ پرستوں کے روبرو وہ نقاب
تو کون تھا جو اسے دیکھ کر فدا نہ ہوا

۱۳ اپریل ۲۰۲۴

ساقیا نہ دے ہم کو آج ساغرِ سرشار
ہوش کھو چکے ہیں ہم دیکھ کر وہ چشمِ یار

شرطِ آشنائی تھی دلربائے عالم کی
چاہیے کہ رکھتا ہو ذوقِ لذّتِ آزار

پھر جنوں نے للکارا مستِ کبر و نخوت کو
بادِ تند سے ہے آج شمع برسرِ پیکار

مرضِ بے دوا ہے یہ کیوں کرے ہو چارہ تم
پھر بتا رہی ہے آج دھڑکنِ دلِ بیمار

بھول بھال کر ہی بات مان لیں کبھی تو پر
کیا کروں نہیں جاتی اُن کی عادتِ تکرار

یوں چھپا لیا چہرہ دیکھ کر مجھے اُس نے
عشق ہو گیا رسوا آج برسرِ بازار

اس عجیب دنیا میں لوگ ہر طرح کے ہیں
مست حال ہے کوئی کوئی جان سے بیزار

گردشِ زمانہ نے اضطراب میں رکھا
ورنہ پھر سے دہراتے قصۂ لب و رخسار

حسنِ بے نظیر آ کے جلوہ گر ہُوا لیکن
رعبِ حسن نے رکھا مجھ کو تشنۂ دیدار

جب سے ہی ہوئے ہیں وہ محوِ آئینہ داری
اور بڑھ گیا یارو حسنِ سادہ کا پندار

کھل گئے قبائے گُل جب سنی تری آواز
بلبلوں نے سیکھی ہے تجھ سے شوخیٔ گفتار

جانے کیوں رہی اُمید وصلِ یار کی گرچہ
سامنے ہی لکھا تھا وہ نوشتۂ دیوار

آفتِ دلِ عاشق ہے یہی ہمیشہ سے
عاشقی میں لازم ہے طنز و طعنۂ اغیار

جب کیا کسی پر بھی اعتبار سالکؔ نے
ہو گیا وہی دشمن تھا جو محرمِ اسرار

۲۸ فروری ۲۰۲۴

شبنم کے موتیوں کو کرنیں سنوارتی ہیں
نظریں کسی کی میرا جیون نکھارتی ہیں

ہے رنگ و روپ تیرا برگِ حنا کا ایثار
دیتی ہیں رنگ تب ہی جب جان ہارتی ہیں

یادیں اگر نہ ہوں تو غم کا مزا لوں کیونکر
افسردگی کو تیری یادیں ابھارتی ہیں

دل باندھتا ہے کیا کیا منصوبے رات دن پر
سودا بنا بنایا آنکھیں بگاڑتی ہیں

پیارے ہوئے جو اوجھل نظروں سے میری یارو
ہر وقت ہی نگاہیں اُن کو پکارتی ہیں

تم ہی کہو کہ پھر کیا دل کا بچے گا کچھ جب
خنجر سی وہ نگاہیں دل میں اتارتی ہیں

دل کی کدورتوں کو دل سے نکال پھینکو
دل کی یہ رنجشیں ہی دنیا اجاڑتی ہیں

جن کے نصیب میں تھی شامِ فراقِ یاراں
پوچھو یہ اُن سے کیسے شامیں گزارتی ہیں

۱۵اکتوبر ۲۰۲۲

شربتِ وصل نہیں وعدۂ فردا ہی سہی
موردِ لطف نہیں رنجشِ بے جا ہی سہی

حاصلِ ضبطِ غمِ عشق لگے ہے موہوم
سایۂ زلف نہیں وسعتِ صحرا ہی سہی

آؤ پھر آج کریں تذکرۂ سوزِ عشق
گرمیٔ بزم نہیں ساغر و صہبا ہی سہی

کیا ہُوا گر نہیں معلوم سوادِ منزل
راہبر گر نہیں تو نقشِ کفِ پا ہی سہی

دل جگر تشنۂ فریاد ہیں کب سے ساقی
گر مئے شوق نہیں خونِ تمنا ہی سہی

چلتے ہیں وادیٔ سینا کی زیارت کو اب
تابِ جلوہ نہیں تو ذوقِ تماشہ ہی سہی

پاسِ رسوائی انہیں عرضِ تمنا ہم کو
گفتگو گر نہیں تو رمز و کنایہ ہی سہی

۲ جولائی ۲۰۲۴

شرطِ پارسائی جب مندر و حرم ہوئی
لغزشِ گناہ کچھ اور محترم ہوئی

اُس کا ذکر چھوڑیے آج ختم ہوگئی
داستانِ عشق جو خون سے رقم ہوئی

تب پتہ چلا مجھے زیست کے فریب کا
ہستیٔ بے بود جب راہیٔ عدم ہوئی

راہِ شوق پر چلا تاب تھی کسے مگر
ڈگمگا گئے قدم جب وہ ہم قدم ہوئی

شہرِ ناسپاس کے باسی ہوگئے سبھی
عاشقوں پہ جب عیاں لذّتِ الم ہوئی

لذّتِ الم کی چاہ تب پتہ چلی مجھے
اِک نگاہِ التفات جب فزائے غم ہوئی

اک چراغِ کشتہ تھا کچھ پروں کی راکھ تھی
ہم بھی دیکھنے گئے جونہی صبح دم ہوئی

۱۴ اکتوبر ۲۰۲۴

شوق کا سفر یارو صبرِ آزما نکلا
بوستانِ الفت اک دشتِ کربلا نکلا

تیز ہو گئی دھڑکن منتشر ہوئیں سانسیں
اوٹ سے مکاں کی جب جانِ مدعا نکلا

میں بھی تھا وہیں پر جب رات میکدے سے کل
پھیرتا ہوا تسبیح رندِ پارسا نکلا

شام ہم گئے چھت پر دیکھنے ہلالِ عید
عید ہوگئی میری جب وہ مہ لقا نکلا

کہہ سکا نہ حالِ دل میں یہاں کسی کو بھی
آسرا کیا جس پر وہ ہی بے وفا نکلا

اشکبار آنکھوں کو پونچھتا ہوا یارو
کوچۂ صنم سے پھر آج اک گدا نکلا

حالِ دل کھلا اُس پر بعد میرے مرنے کے
گردِ رہ گزر سے جب میرا نقشِ پا نکلا

۱۳ اپریل ۲۰۲۳

شوق سے جنہیں اپنی پلکوں پر بٹھاتے ہیں
دوستو وہی ہم کو چاہ میں گراتے ہیں

خُو پڑی ہے کچھ ایسی اس دلِ گرفتہ کو
وجہِ غم نہ بھی ہو تو وسوسے ستاتے ہیں

وہ نہیں وفا شیوہ جانتے ہیں ہم لیکن
پھر بھی ہر شبِ وعدہ بزم اک سجاتے ہیں

آس اُن سے رکھتے ہیں دوستی نبھانے کی
راہ میں ملیں جب وہ تو نظر چراتے ہیں

اک نگاہِ ساقی سے آ گئے نشے میں ہم
تشنہ لب رہے وہ جو خم کے خم اڑاتے ہیں

دونوں ہی اٹھاتے ہیں لطف و انبساط اس سے
زخم اک لگا کر وہ جب نمک لگاتے ہیں

ہے قصور اپنا ہی دوش دیں کسی کو کیوں
آندھیوں کے موسم میں گھونسلا بناتے ہیں

۹ مئی ۲۰۲۴

شوق تھا رسوائی کا جب سرِ محفل گئے
ہم بھی لیے ہاتھ میں کاسۂ سائل گئے

اہلِ چمن سے کہو رختِ سفر باندھ لیں
برگِ خزاں دیکھ کر سب ہی عنادل گئے

ہونٹ تو خاموش ہیں آنکھ پہ تکیہ نہیں
راز نہ ہو جائے فاش گر سرِ محفل گئے

خلق پریشاں ہوئی دیکھ کے مقتل کو جب
ڈال کے ہاتھوں میں ہاتھ قاتل و بسمل گئے

حیرتِ جلوہ تھا یا دبدبۂ حسن تھا
ٹوٹ گیا آئینہ جب وہ مقابل گئے

ناز تھا دل پر جنھیں ٹھیرے نہیں سامنے
جنبشِ ابرو سے سب ہو کے وہ گھائل گئے

ہوتے ہو حیران کیوں منزلِ گم گشتہ پر
جب بھی گئے کارواں غافلِ منزل گئے

۷ جولائی ۲۰۲۳

شہر کے باشندوں میں دھوم سرِ عام ہے
جلوہ گہِ عام میں حسن لبِ بام ہے

دیکھنا وہ پہلی بار عشق کا عنواں ہوا
دل کو ابھی تک مگر حسرتِ انجام ہے

میں نے کہا دیکھ کر شوخ خریدار کو
مول لگائیں گے کیا آدمی بے دام ہے

آنکھ جھپک دی اگر تشنگی رہ جائے گی
جس کی ہے دعوت یہاں میکدہ آشام ہے

آپ نے تو کہہ دیا آپ کو پر کیا پتا
ترکِ تعلق مری موت کا پیغام ہے

زندہ رہا ہے مدام کون یہاں دوستو
بعد ہر اک صبح کے آتی مگر شام ہے

خُو میں ہے بیگانگی پر نہیں دل کا برا
پوچھیے سالکؔ کا کیا مفت میں بدنام ہے

۱۲ اگست ۲۰۲۲

شکوہ گر کریں تو کیا ایک بدگمان سے
آسِ توبۂ جفا خون بدامان سے

یہ بتاؤ تو ذرا کب رُکی ہے موج وہ
روکتے رہے جسے بھربھری چٹان سے

سَر ہوئی ہیں منزلیں اُن مسافروں کی کب
رک گئے جو راہ میں جسم کی تکان سے

بزمِ عاشقی کہاں صحبتِ صبا کہاں
تشنگانِ شوق جب اُٹھ گئے جہان سے

تھا نشانِ لطفِ جاں چشمِ شوق کے لیے
دوستو نکل گئی تیغ جب میان سے

گزری ہوگی دل پہ کیا جب غبارِ دشت میں
کر رہا تھا التجا قیس ساربان سے

دے رہا ہے یہ صدا صیدباز کو چمن
کیوں لگے ہے ڈر تمھیں خُفتہ پاسبان سے

شورِ حشر اک اُٹھا آج پھر قفس میں جب
بے سکوں ہوا چمن برقِ بے امان سے

وہ سنا رہے تھے کل اک فسانۂ وفا
بے خبر بھی اُٹھ گئے زیبِ داستان سے

۱۴ جولائی ۲۰۲۴

شوریدگانِ عشق تھے جاں سے گزر گئے
اِس راہِ پُرخطر میں بھی وہ بے خطر گئے

کہتا رہا میں اُن سے جفائیں نہ اب کریں
لیکن پھر آج نالے مرے بے اثر گئے

اس دل کی بے خودی کا سبب جانتے ہیں سب
پر میرے حالِ دل سے وہی بے خبر گئے

دیتا ہے وعظ شیخ کہ اچھی نہیں یہ شے
افکار پر بہک کے کچھ اور ہی نکھر گئے

کر تو دیا اسیرِ قفس کو رہا مگر
جانے لگے وہ جب تو مرے پر کتر گئے

کیا پوچھتے ہو تم کہ کہاں ہم نہیں گئے
سن تیری جستجو میں نگر در نگر گئے

ہر روز ایک آس پہ آتے ہیں جو یہاں
محفل سے تیری آج بھی باچشمِ تر گئے

۲۱ فروری ۲۰۲۳

سوچتا ہوں گر میری آہ میں اثر ہوتا
تو دلِ شکستہ کو رنج سے مفر ہوتا

مانگتا رہا ہے تُو عمر بھر خلائق سے
ایک در کا ہوتا گر یوں نہ دربدر ہوتا

کاروانِ رفتہ کو پھر سے دیکھتے ساقی
تیرے میکدے میں گر شربتِ خضر ہوتا

سفرِ زیست بھی یارو چین سے گزر جاتا
دشتِ زندگی میں گر سایہ ور شجر ہوتا

کیوں خروشِ ظلمت میں یوں بھٹک رہا ہوتا
میرے آسماں پر بھی گر کوئی قمر ہوتا

مجھ کو اس خوشی سے ہی کیوں نہ مرگ آ لیتی
آپ کے تصوّر میں میرا بھی گزر ہوتا

تجھ پہ جو ہوا عاشق دوش دوں اسی کو کیوں
میں بھی تجھ پہ مرمٹتا گر میں نامہ بر ہوتا

۲۷ اگست ۲۰۲۲

سنبل نے پیچ و تاب کھایا دیکھ کر دلدار کو
نرگس نے دیکھا چشمِ بد سے غیرتِ گلزار کو

اک فتنۂ محشر ہوا آنا خرامِ ناز کا
جھجکی صبا بھی دیکھ کر اِس شوخیٔ رفتار کو

اک شمع کی مانند بیٹھا ہوں رہِ طوفان میں
ابرو کے بل میں دیکھتا ہوں حشر کے آثار کو

یہ عاشقی کے راستے مشکل سہی یارو مگر
راضی نہیں دل چھوڑنے پر اس رہِ پُرخار کو

مدّت ہوئی دیکھا نہیں چہرہ ترا ہمدم مرے
صورت دکھا دے خواب میں اِک تشنۂ دیدار کو

کچھ مرمٹے حق پر تو کچھ شیطان کے چیلے ہوئے
پہچان سکتا کون ہے اِس مخزنِ اَسرار کو

گر شہر میں حکمِ زباں بندی ہوا جاری تو کیا
اہلِ خرد سنتے رہو پازیب کی جھنکار کو

اک بار نادانستہ جس کی پڑ گئی اُس پر نظر
پھر دیکھتا ہی رہ گیا وہ نرگسِ بیمار کو

ایسا کوئی گر ہے یہاں تو سامنے آئے ذرا
جو روک دے ظلم و ستم سے موجدِ آزار کو

اعمال تیرے اے پجاری گر دکھاوے کے نہیں
تو پھینک دیتا کیوں نہیں تُو سبحہ و زُنّار کو

شیطاں ہُوا تھا راندۂ درگاہ نخوت کے سبب
اے شیخ تُو بھی توڑ دے اپنے بتِ پندار کو

سورج نہ ہوگا منعکس آئینہ گر صافی نہیں
قلبِ مصفّا چاہیے جلوہ گریٔ یار کو

ہے وقتِ رخصت عالمِ فانی سے اے بیدادگر
بس چھوڑ دے آزار دینا سالکؔ بیزار کو

سنا ہے اشکِ منفعل بہاتا ہے جفا کے بعد
میں بھی اسی کو دیتا ہوں دعائیں بددعا کے بعد

گیا نہ دشتِ عشق میں کوئی بھی میرے بعد پھر
پڑا نہ پھر کوئی نشان میرے نقشِ پا کے بعد

کوئی بتائے تو سہی اُسے بھلا کہوں تو کیا
جو پوچھتے ہیں مدّعا بیانِ مدّعا کے بعد

جفائیں کھینچتا رہا تمام عمر یار کی
ہوئے وہ شرمسار تو مگر مری قضا کے بعد

عنایتیں ہیں بے شمار اک گناہ گار پر
نہ آرزو رہی کوئی مجھے تری رضا کے بعد

قصورِ فہم ہی تو تھا کہ اعتبار کر لیا
جفا میں اور بھی بڑھے وہ وعدۂ وفا کے بعد

نتیجۂ علاج سے ہیں بدحواس چارہ گر
گزر گیا مریضِ عشق مرض سے شفا کے بعد

۱۵ مئی ۲۰۲۳

تا کنا نہ پا جائیں دیکھتے تھے ڈر ڈر کے
بس یہی تمنا تھی دیکھتے نظر بھر کے

خوف ہے یہی مجھ کو مندمل نہ ہو جائیں
اس دلِ گرفتہ پر زخم نوکِ نشتر کے

تنکے جو کیے تھے جمع گھونسلا بنانے کو
نذر ہوگئے سب ہی برق و بادِ صرصر کے

عمر بھر کہا میں نے دوستوں نے پوچھا جب
کب تلک اٹھاؤ گے ناز ماہ پیکر کے

صبر سے کرو برداشت جو لکھا ہے قسمت میں
کب کہو کہ بدلے ہیں فیصلے مقدّر کے

اک ستم کشیدہ کو کیا کہو گے تم اُس وقت
جب تلے کھڑے ہو گے آفتابِ محشر کے

کہتے لوگ دیوانہ تم کو بھی مری مانند
دیکھے ہوتے تم نے گر نین اُس ستمگر کے

ہم نے تو بتایا تھا پر کھڑا رہا سالکؔ
انتظارِ بارش میں نیچے ابرِ آذر کے

۳۰ اگست ۲۰۲۲

تبھی ہو آشنائی چھائے ابرِ اعتبار جب
کچھ اور ہی وہ کھنچ گیا کی عرض بار بار جب

گزر رہی تو تھی مگر نشاطِ زندگی ملی
وہ تیر نیم کش ہوا جگر کے آر پار جب

لگا کہ چھپ گیا ہے چاند پیچھے ابر کے کہیں
بکھر گئی فسردہ رُخ پہ زلفِ مشکبار جب

ہوا اسے ستمگری کا تب شعور دوستو
کسی نے سنگِ آستاں پہ کر دی جاں نثار جب

غموں کی دھوپ میں گزر گئی تمام عمر ہی
کرے کوئی تو کیا ملے نہ شجرِ سایہ دار جب

جگر ہوا ہے لالہ زار موسمِ خزاں میں پھر
گماں ہو بہار کا یہ دل ہو داغدار جب

یکایک آ گیا سکون سینۂ فگار کو
پڑی بتِ بے مہر پر نگاہِ بے قرار جب

رہا غریبِ شہر منتظر تمام عمر ہی
رہا نہ وہ ہوئی ہَوا چمن کی سازگار جب

خریدنے کو ملتا ہی نہیں کوئی جہان میں
لٹاتے ہیں متاعِ درد عاشقانِ زار جب

کروں گا اپنے چارہ گر سے یہ سوال بھی کبھی
کروں تو کیا ہو جائے درد باعثِ قرار جب

۱۰اپریل۲۰۲۳

تکمیلِ وفا دیکھ وفاکوش رہا میں
اعجازِ ستم دیکھ گراں دوش رہا میں

میں فتنۂ فردا کی کروں فکر تو کیونکر
جب تک جیا تو محوِ غمِ دوش رہا میں

ناراض ہُوا وقت تو احساس ہوا تب
کیوں وقت کی آواز پہ خاموش رہا میں

مسکان سجائے رہا بس تا بہ حیات اک
انبوہِ عزیزاں میں بھی روپوش رہا میں

واعظ کی نصیحت یونہی بیکار گئی پھر
پہلے کی طرح رندِ بلانوش رہا میں

کچھ یاد نہیں کیا ہُوا کل بزم میں اُن کی
جب تک رہے وہ سامنے مدہوش رہا میں

پھر دے رہا تھا آتی بہاروں کی خبر وہ
گاتا رہا بلبل ہمہ تن گوش رہا میں

ہے شکرگزاری کا تقاضہ کہ کہے عبد
ممنونِ عطاپاش خطاپوش رہا میں

۱۴ستمبر ۲۰۲۴

○

تیز آندھیوں میں کل گر گئے بسیرے سب
کرچیاں جو چنتا ہوں خواب تھے سنہرے سب

کارواں سے بچھڑے تو دیکھتے ہیں راہوں میں
بیٹھے ہیں ہماری ہی تاک میں لٹیرے سب

تھا فسادِ بحر و بر جب ہُوا ظہور اُس کا
نور کی کرن سے پھر چھٹ گئے اندھیرے سب

رہ گئے اکیلے ہم سامنے ہماری جب
ایک ایک کرکے یار دیس سے سدھارے سب

تیرے بعد آنکھوں سے اُڑ گئیں ہیں نیندیں ہی
جاگتا رہا میں جب سو گئے ستارے سب

دیتے ہیں مجھے الزام آپ عہدشکنی کا
آپ نے مگر وعدے کب کیے تھے پورے سب

سالکؔ پریشاں نے وقتِ مرگ یہ جانا
کام تھے یہاں کے جو رہ گئے ادھورے سب

۲۰نومبر ۲۰۲۲

تھا کبھی شخص کوئی میری نظر کا محور
ڈھونڈتی ہے نگہ شوق وہ چہرہ سندر

مدّعا دوست کے آنے کا کھلا تب لوگو
یار نے چپکے سے جب خول سے کھینچا خنجر

وعدۂ جان نثاری پہ یقیں تب آیا
جب رگِ جان میں پیوست ہوا اک نشتر

آبرو کھوئی نکالا جب انہوں نے دل سے
کوئی پوچھے کہ کیا گھر سے ہمیں کیوں بے گھر

بدمزاجی کی شکایت ہے جہاں کو جن سے
مدّعا اُن سے کروں عرض اگر تو کیونکر

لطف انگیز اذیّت کا اٹھانا ہوگیا
جب طبیعت ہوگئی رنج و الم کی خوگر

دیر کے بعد سمجھ آئی کہ گر جھکتے ہم
ایک ہی در پہ تو پھرتے نہ کبھی یوں در در

۲۶ جولائی ۲۰۲۲

ٹوٹ کے جو بکھر گئے ریزے وہ ڈھونڈتا ہوں میں
دل تو کبھی کا جل گیا راکھ کریدتا ہوں میں

سوگ مناتا ہوں کبھی محفلِ دوستاں کا تو
یادِ گزشتہ کو کبھی خون سے سینچتا ہوں میں

کشتۂ ناز کیوں ہوئے کوچۂ شوق کیوں گئے
دل ہو اُداس جب بہت خود سے یہ پوچھتا ہوں میں

دیکھو ستم ظریفی تو ایک چراغِ راہ ہوں
شور سے آندھیوں کے پر خوف سے کانپتا ہوں میں

ایک زمانہ ہو گیا دیکھ سکا نہیں اسے
جانے خدا کہاں ہوگا اب یہی سوچتا ہوں میں

دل میں صنم سجا دیا دل کو حرم بنا دیا
اب اسی کے مدار میں روز ہی گھومتا ہوں میں

آنکھ کا ہی قصور تھا جس نے مجھے دیا یہ درد
اس سے ملی تھی جب نظر وقت وہ کوستا ہوں میں

۹ نومبر ۲۰۲۲

تجھ کو اے خدا ہم نے آج بولتا دیکھا
برق کو فلک پر جب ہم نے کوندتا دیکھا

تم مجھے بتاؤ وہ ہو نہ دل شکستہ کیوں
جس نے صبح کا تارہ آج ٹوٹتا دیکھا

سرخرو ہُوا ہے وہ شخص آج مقتل میں
جس کو پابجولاں کل ہم نے ناچتا دیکھا

تم کہو کہ ایماں کا حال کیا ہُوا ہوگا
ہم نے زاہدوں کو جب جھوٹ بولتا دیکھا

کیوں غرور کا نشّہ آج تک نہیں اترا
شاہ کو گلی میں بھی بھیک مانگتا دیکھا

پھر ہوئی ہے ہلچل سی دل کی دھڑکنوں میں آج
تم نے سازِ ہستی کو پھر سے چھیڑتا دیکھا

پیار کے نگہبانو ہم نے آج سالکؔ کو
کوچۂ صنم کے گرد پھر سے گھومتا دیکھا

۳۰ ستمبر ۲۰۲۳

تم اگر مرے ہوتے زندگی چہک جاتی
بوئے خونِ عاشق سے یہ فضا مہک جاتی

دل پہ گر مرے پڑتی وہ نگاہِ چقماق اک
ایک آتشِ پنہاں سینے میں دہک جاتی

ہر ادا وہ فتنہ خیز ہر نگاہ میں جادو
گر کبھی چمن جاتی شاخِ گل لہک جاتی

دیکھ کر وہ انگڑائی ڈگمگائے ایماں بھی
چشمِ شیخ گر پڑتی تو وہیں بہک جاتی

سر نہ ہوسکی وہ زلف تجھ سے تو مگر سالکؔ
پر کبھی جو ہو جاتی ہر سحر مہک جاتی

۱۸ ستمبر ۲۰۲۲

○

اُکھاڑ دیتی ہے سانس آنکھوں کی اک ادا بھی
ہے رمزِ مژگاں پہ منحصر اب مری قضا بھی

میں قبلہ رُو جب کبھی ہوا بزمِ یار میں تو
بدل سکی رُخ نہیں موذّن کی پھر صدا بھی

گرے ہزاروں نگاہِ جادو سے لوگ جو کل
انہی میں تھا ایک کوچۂ یار کا گدا بھی

بہت سماجت کی اجتنابِ جفا کی ہم نے
نہیں ہُوا پر دہائیوں کا اثر ذرا بھی

اِدھر نظر آئی بے حسی ایک سنگدل کی
اُدھر سنا مرگ کا تو بوجھل ہوئی قضا بھی

جواب دینا پڑے گا ظلموں کا حشر کے دن
مگر مکر جائے گا وہ پوچھے گا جو خدا بھی

یہ میرا ہی حوصلہ تھا ظلموں کو سہہ گیا جو
میں نے کیا درگزر ہوئی تم سے جو خطا بھی

۱۵فروری ۲۰۲۳

○

عمرِ پس ماندہ عدم میں گزرے گی گویا مری
ایک صیّادِ اجل نے چھین لی دنیا مری

جب پکارا تو نہ آیا دوست کوئی بھی مگر
سب ہی سننے کو چلے آئے ہیں اب بپتا مری

بے وفائی کا مجھے دیتا ہے جو الزام وہ
بولتا گر سچ تو رودادِ وفا لکھتا مری

اے خدا لے جا مجھے گر پاس اُن کے آج تو
کیوں پلٹ جائے نہ اک لمحے میں ہی کایا مری

اشک بہتے ہیں درودیوار سے گھر کے مرے
شمع جلتی ہو جہاں ہوگی وہی کٹیا مری

تم ہو سائل رونقوں کے، چھائی ہے ظلمت یہاں
دیکھ کر اپنا قدم تم زیست میں رکھنا مری

بزم سے ہی اُٹھ گیا وہ خوفِ رسوائی سے آج
بیٹھتا کچھ دیر اور تو داستاں سنتا مری

اب اجازت چاہتا ہوں رخصتی کی آپ سے
یاد آئے گر کبھی تو شاعری پڑھنا مری

یکم دسمبر ۲۰۲۱

اُن کی یادیں میرے جینے کا بہانہ ہوگئیں
آتشِ غم میں جلیں تو اک خزانہ ہوگئیں

ڈھونڈتے ہو تم جسے وہ تو کبھی کے جا چکے
اُٹھ گئی وہ بزم وہ باتیں فسانہ ہوگئیں

انبساطِ زیست کی کرتے رہے کوشش مگر
کاوشیں سب نذرِ بیدادِ زمانہ ہوگئیں

شہر کی آبادیاں بھائیں نہیں دل کو مرے
دشت کی ویرانیاں اپنا ٹھکانہ ہوگئیں

پھینکتے ہیں تیرِ مژگاں پر نہیں وہ جانتے
ہستیاں تارِ نظر کی جو نشانہ ہوگئیں

آتشِ رخسار میں تھی رشک کی بھی اک جھلک
پُرشکن زلفیں تری جب نازِ شانہ ہوگئیں

تُو بھی گھر کی راہ لے سالکؔ کہ تیرہ چھا گیا
دیکھ چڑیاں بھی گھروں کو سب روانہ ہوگئیں

۲۸ نومبر ۲۰۲۱

اُس بزم کا اندازِ رندانہ ہمیں اچھا لگا
جلنے سے پہلے رقصِ پروانہ ہمیں اچھا لگا

جس کی وفا پر تھا نہیں تم کو یقیں اے بدگماں
اُس بے وفا کا جان سے جانا ہمیں اچھا لگا

جو عمر بھر ڈرتا رہا رسوا نہ ہو جائے کہیں
چوری چھپے اس کا یہاں آنا ہمیں اچھا لگا

ناز و ادا کا کیا کہوں اُس حسنِ عالم تاب کے
وہ دیکھ کر آئینہ شرمانا ہمیں اچھا لگا

کُنج قفس میں مونس تنہائی تھی دیوار اک
صحرائے عالم کا یہ ویرانہ ہمیں اچھا لگا

ظلمت رُبا ہے یادِ دلبر تیرگی کو زیست کی
روشن تری یادوں سے غمخانہ ہمیں اچھا لگا

دیکھی وہ چشمِ نیم وا تو ٹوٹ کر ساغر گرے
پیمانے کے بعد ایک پیمانہ ہمیں اچھا لگا

۸ جون ۲۰۲۴

اُس کو کچھ گاتے ہوئے اب ہوگئے برسا برس
سن ذرا کہتا ہے کیا وہ زمزمہ پیرا مگس

منتظر ہوں دشتِ حرماں میں صدائے کُن کا میں
چاہتا ہے دل مرا اب پھر سنوں بانگِ جرس

گو کہ روز و شب گزرتے ہیں تصوّر میں ترے
طالبِ دیدار کی لیکن مٹے کیونکر ہوس

لالۂ دل سوز میں تازہ ہے فصلِ گل ابھی
اِن بہاروں سے کہو آئیں نہ وہ اب کے برس

محو ہیں پروازِ آوارہ میں مرغانِ چمن
دیکھتے ہیں چشمِ حسرت سے اسیرانِ قفس

گر کرے تو کیا کوئی ایسے کسی معشوق کا
جس ستمگر کو ستم کے بعد آتا ہو ترس

کُھل گئے ہیں بتکدے پھر سے مساجد میں یہاں
خامشی سے دیکھتے ہیں اِن خداؤں کو کلس

یکم نومبر ۲۰۲۲

اُس نے تو صرف آزمایا تھا
دیکھ کر جب وہ مسکرایا تھا

اب بھی اُس کا سرُور باقی ہے
اُس نے آنکھوں سے جو پلایا تھا

پھر نہ پوچھا اسے کبھی جس کا
شوق سے مقبرہ بنایا تھا

اے گھمنڈی تجھے وہ یاد نہیں
جب تجھے خاک سے اٹھایا تھا

وہ خوشی سے ہوئے تھے رقص کناں
جب مجھے دار پر چڑھایا تھا

جان لیوا ہو وار ہر صورت
دشنہ وہ زہر میں بجھایا تھا

بن گیا اک ہوس کدہ اُس نے
حسن کا دام جو بچھایا تھا

شدّتِ درد سے ہُوا معلوم
تیر اپنوں نے ہی چلایا تھا

۱۳ نومبر ۲۰۲۲

اُس ساقیِ مخمور پہ راغب کوئی اور ہے
اور جامِ مئے شوق کا شارب کوئی اور ہے

دیکھو ذرا شوخی مرے محبوب کی یارو
جو مجھ کو ستاتا ہے مخاطب کوئی اور ہے

بدلی ہے کبھی بھینٹ سے تقدیر کسی کی
یہ جان لو تقدیر کا کاتب کوئی اور ہے

سمجھا کہ عدو سنگ زنی کر رہا ہے پھر
جانا یہ مگر دوسری جانب کوئی اور ہے

یاں چشمِ تماشا کو رہی دید کی حسرت
واں شک میں رہے دید کا طالب کوئی اور ہے

ہم دھرتے رہے زخم کا الزام عدو پر
معلوم ہوا درد سے ضارب کوئی اور ہے

ہو جاؤ خداجُو کہ نہ آشکار کہیں ہو
یہ روزِ قیامت کہ مصاحب کوئی اور ہے

تم چاند ستاروں کو ہی سجدہ کرو لیکن
سن رکھو کہ مسجودِ کواکب کوئی اور ہے

۳۰ اکتوبر ۲۰۲۲

اُسے بھلانے میں ہی زندگی کی شام ہوگئی
تمام عمر ایک بے وفا کے نام ہوگئی

سنا ہے ایک اور جان ہوگئی ہے نذرِ عشق
سنو یہ داستانِ عشق بھی دوام ہوگئی

دلیلِ عشق اور وفا یہ بحثِ حسن اور جفا
مرے سبب ہی ہر زبانِ خاص و عام ہوگئی

چمک رہا ہے سر پہ ایک آفتابِ ہجر اب
وصال کی وہ ایک رات کب تمام ہوگئی

بوجہ عشق ہی سرورِ زندگی ملا مجھے
کہ اک نگاہِ مست زیست کا پیام ہوگئی

صبا تھی محوِ رقص واں تو ہرزہ گرد تھی مہک
کہ دعوتِ شمولِ بزمِ یار عام ہوگئی

نگاہِ شوق جب پڑی تو یوں لگا مجھے کہ بس
تمام کائنات آج زیرِ گام ہوگئی

اُلجھ گئی ہے آنکھ میری گیسوئے دراز سے
کھلی جو زلف تو نظر اسیرِ دام ہوگئی

۴ ستمبر ۲۰۲۲

اسے نہ کہنا کہ میری اب آخری گھڑی ہے
جو سوگواروں میں چشمِ پُرنم لیے کھڑی ہے

گزر رہے ہیں مرے شب و روز اب کچھ ایسے
خزاں ہے دل میں تو آنکھ برسات کی جھڑی ہے

حجاب مانع تھا شوقِ دیدار میں ابھی تک
کچھ اور ٹھیرو ذرا ابھی نیم شب پڑی ہے

معاف ہوتی نہیں خطا یہ جو کر رہے ہو
اے عاشقو گر مری سنو تو سزا کڑی ہے

خمار آلود آنکھ دیکھی جو آپ کی تو
سمجھ گیا میں کہ پھر کسی سے نظر لڑی ہے

بدلتی رُت میں چلی ہے پھر سے ہوا جنوں کی
مجھے پتا ہے کہ دشت میں خاک کیوں اُڑی ہے

۲۳ اگست ۲۰۲۳

اُٹھتے ہیں عاشقانِ زار بزم سے تہمتیں لیے
ہم بھی وہیں سے آئے ہیں زخمی ساعتیں لیے

راہ نوردِ شوق کا قصّہ یہی ہے مختصر
آیا تھا خواہشوں کے ساتھ جاتا ہے حسرتیں لیے

دی ہے متاعِ بے بہا تُو نے جو اُس کا شکریہ
جاتا ہوں اب جہان سے درد کی لذّتیں لیے

کون گیا ہے آج پھر دشتِ جنوں کو دیکھنا
چاک قبا جگر فگار عشق کی وحشتیں لیے

ہم بھی گئے تھے دیکھنے آج حرم میں شیخ کو
کرتا تھا طوف کعبہ کا ہاتھ میں مورتیں لیے

رسم و رواج ہے یہی شہرِ وفا کا دوستو
جاتے وہاں ہیں خرقہ پوش آتے ہیں خلعتیں لیے

چلتا رہے یہ مے کدہ غم کے بھلانے کو یہاں
آتے ہیں رند و ہوشیار ہجر کی کلفتیں لیے

۱۶ اکتوبر ۲۰۲۴

وصلت نہیں تو انتظارِ شامِ وعدہ ہی سہی
پھر آج راہ و رسمِ یاری کا اعادہ ہی سہی

ہم آشنائے محفلِ عیش و طرب ہیں آج بھی
گر محفلِ خوباں نہیں تو شغلِ بادہ ہی سہی

تُونے چھوا ہوگا اسے تسکینِ دل کو کافی تھا
گر بھیج دیتے خط کوئی گو ورقِ سادہ ہی سہی

تھی دید کے قابل دلِ نادان کی آسودگی
مجھ پر پڑی جب وہ نظر گو بے ارادہ ہی سہی

پہنے ہوئے ہے جامۂ احرام زاہد آج پھر
تقویٰ نہیں تو پارسائی کا لبادہ ہی سہی

گر ہو سفر آمادہ تو گردِ سفر کیوں روکے گی
توسن میسّر گر نہیں تو پاپیادہ ہی سہی

۱۴فروری ۲۰۲۴

وہ آج میکدے سے مستِ شراب نکلا
سمجھے تھے جس کو زاہد رندِ خراب نکلا

تیّار تو نہیں تھے بابِ عدم کو لیکن
پیغام آگیا تو پا در رکاب نکلا

تم بھی وہیں تھے موجود جب بعدِ قتل میرے
چیرا جو سینہ اُس نے تو دل کباب نکلا

سمجھے تھے نقشِ منزل اک فاصلے سے جس کو
دیکھا قریب جاکر تو اک سراب نکلا

اظہارِ مدّعا میں ہم کو رہی جھجھک سی
پر اک سُبُوئے مے ہی دافعِ حجاب نکلا

سمجھے تھے راحتِ جاں پر کیا کروں میں یارو
یہ عشق کا بکھیڑا جاں کا عذاب نکلا

پھر سے ہَوا چلی ہے اِس شہر میں جنوں کی
ملکِ خدا میں خوش رُو جب بے نقاب نکلا

۷اگست ۲۰۲۴

وہ بھول گئے جن کے لیے خود کو بھلایا
کیوں اک بے مروّت کے لیے دل کو جلایا

چھوڑا تھا نشاں قیس نے جو راہِ وفا میں
واضح نہیں وہ نقشِ کہن کس نے مٹایا

تہمت بیوفائی کی لگائیں ہیں وہ اس پر
جس نے کبھی کانٹوں سے بھی دامن نہ چھڑایا

پلکوں پہ اٹھایا تھا جسے میں نے ہمیشہ
اس نے ہی لہو میرا سرِ خاک گرایا

معلوم تھا آئے گا کبھی بھی نہ وہ پھر بھی
دروازہ کیا بند نہ ہی دیپ بجھایا

تعبیرِ جنوں پائی جب اپنوں میں کسی نے
آوازے کسے تو کسی نے سنگ اٹھایا

ڈالی جو نظر عمرِ گزشتہ پہ تو پوچھا
کیوں عشق کیا آپ سے کیوں وقت گنوایا

کوئی نہیں تھا آنسوؤں کو پونچھنے والا
وہ جذب ہوا خاک میں جو اشک بہایا

پھر چاک گریباں ہے پھر دشت نوردی
پھر وضعِ جنوں کو کسی نے خوب نبھایا

۲۹ مئی ۲۰۲۳

وہ بھول گیا تو کیا جو بات پرانی تھی
پر بات نہیں بھولی جو بات بھلانی تھی

مشّاقِ وفا کو آج پھر آئی جھجھک آڑے
آنا تھا تمہارے پاس اک بات بتانی تھی

اِس تشنۂ صحبت نے دیدار کے بھوکے نے
کوچے کی اُڑائی خاک جب پیاس بجھانی تھی

جب رات ہوئی گہری اک چاپ سنائی دی
سنتا ہوں وہ آئے تھے اک شمع جلانی تھی

جب خشک ہوئے آنسو دل اور ہوا بوجھل
آسان تھے وہ دن جب اشکوں میں روانی تھی

کیا پوچھتے ہو مجھ سے یارو شبِ فرقت کا
اک گریہ و زاری تھی خونابہ فشانی تھی

اک بھول ہوئی مجھ سے تو دوش کسی کو کیوں
میں آنکھ لڑا بیٹھا نادان جوانی تھی

سب بھول گئے اُس کو گر یاد رہا کچھ تو
وہ سالکؔ خستہ کی آشفتہ بیانی تھی

۱۴/اکتوبر ۲۰۲۳

وہ جو سرزش کے لائق ہوگئے ہیں
وہی خلعت کے شائق ہوگئے ہیں

تھے مسجودِ ملائک جو کسی وقت
وہ مطعونِ خلائق ہوگئے ہیں

بتانِ دہر کے ظلم و ستم سے
دل و دیدہ شقائق ہوگئے ہیں

اُبلتے آنسوؤں کو روک کر ہم
غمِ الفت کے لائق ہوگئے ہیں

نہ چھُوٹے جو تجرّد میں غموں سے
وہ پابندِ علائق ہوگئے ہیں

سنا چرچا ترے جوبن کا تو گُل
ترے جلوے کے شائق ہوگئے ہیں

محبت عقدۂ لاحل تھی پر اب
ہویدا سب حقائق ہوگئے ہیں

نگاہیں کیوں چراتے ہو تم اُن سے
جو اندیشے حقائق ہوگئے ہیں

۱۸ نومبر ۲۰۲۲

وہ کیوں انہیں بتائیں جو آنکھ سے عیاں ہو
اظہارِ مدّعا کیوں منّت کشِ زباں ہو

سجدے مچل رہے ہیں پھر سے مری جبیں پر
کعبہ اگر نہیں ہے تو کوچۂ بتاں ہو

پھر رات بھر چمن میں اک جشن کا سماں تھا
شبنم لگے ہے جیسے عرقِ گلِ رخاں ہو

اب اضطراب میں ہی ملتا ہے لطف دل کو
یہ چاہتا ہے ہر دم اک سوزشِ نہاں ہو

اک دشت گرد اب تک لیلیٰ کو ڈھونڈتا ہے
ہیں گوش در کہ شاید جھنکارِ سارباں ہو

اک ڈھونگِ پارسائی تُونے رچا رکھا ہے
زاہد نصیب تجھ کو ایمانِ عاشقاں ہو

پھر ڈھونڈتا ہے دل یہ ایسی جگہ جہاں پر
یہ چشمِ خوں فشاں ہو اک دشتِ بے کراں ہو

سوتے جو رہ گئے تھے دیکھے ہیں چارسُو اب
شاید کہیں پہ اُڑتی کچھ گردِ کارواں ہو

۱۱/اگست ۲۰۲۴

وہ کچھ کہہ گئے کان میں چلتے چلتے
کئی دل ہوئے راکھ تب جلتے جلتے

کہیں پاسِ ناموسِ عشق آڑے آیا
کبھی رہ گئی بات اک بنتے بنتے

ہوا سہل کب داغِ الفت کا مٹنا
کئی مٹ گئے نقش کے مٹتے مٹتے

نہ کہنے دیا پاس رسوائی نے کچھ
مگر کہہ دیا ہم نے بھی ڈرتے ڈرتے

پڑا عکسِ زلفِ معنبر کہیں تو
وہیں تھم گئی شام وہ ڈھلتے ڈھلتے

اٹھا کر نظر ساقیا نے جو دیکھا
سنبھلنے لگے رند سب گرتے گرتے

۲۹ مارچ ۲۰۲۴

وہ صبر چشمِ تغافل سے آزماتی ہے
پھر آج رات کوئی روح تلملاتی ہے

رہینِ حسرتِ دیدار ہوں اسی کے لیے
جو صرف مجھ سے ہی آنچل میں منہ چھپاتی ہے

گیا میں عالمِ آوارگی میں جب بھی اک
نگاہ اس کی مجھے راستہ بتاتی ہے

ہوا شکار کئی بار اُس نظر کا میں
جو چشم فتنۂ خوابیدہ کو جگاتی ہے

ہے دل مرا جسے سمجھے ہو سنگِ بے حس تم
نہ کیوں اُٹھے گا دھواں جب وہ دل جلاتی ہے

یہ چاہتا ہوں کہ اک روز کہہ دے وہ مجھ کو
ہے دل میں اُس کے جو کہنے سے ہچکچاتی ہے

گمان ہوتا ہے مجھ کو کسی کے آنے کا
چراغِ گور کی لَو جب بھی جھلملاتی ہے

۲/اگست ۲۰۲۳

یاد جب ستاتی ہے سب سے چھپ کے روتا ہوں
چاک کرکے دامن کو راہِ دشت لیتا ہوں

یار کی جدائی میں زیست ہوگئی مشکل
رات دن تڑپتا ہوں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں

زندگی کی راہوں پر ساتھ چلتے کیونکر ہم
گیت ہو خوشی کا تم میں غموں کی گیتا ہوں

راستے جدا تھے تب راستے جدا ہیں اب
تم بہارآرا ہو میں خزاں میں سجتا ہوں

کیوں کہیں نہ سودائی دوست یار سب ہی جب
اجنبی سی راہوں پر اُس کی راہ تکتا ہوں

اک سراب کے پیچھے جا رہا ہوں کب سے میں
آنکھ موند لیتا ہوں گر کہیں پہ تھکتا ہوں

سب یہی سمجھتے ہیں غم نہیں مجھے کوئی
آڑ میں تبسم کی دوستوں سے چھپتا ہوں

۶ فروری ۲۰۲۳

یاد میں کسی کی اب رات بھر سسکنا ہے
یار کی جدائی میں عمر بھر تڑپنا ہے

زلفِ پُرشکن کھولو شامِ شہرِ یاراں ہے
گیسوؤں کا کھلنا ہی شام کا نکھرنا ہے

شبنمِ گل و لالہ اشکِ عارض و رخسار
درد کا سوا ہونا حسن کا نکھرنا ہے

میرے ساتھ چلنے سے پہلے سوچ لینا یہ
عاشقوں کی قسمت میں دربدر بھٹکنا ہے

غایتِ تصوّر میں چشمِ شوق دیکھے ہے
مے گسار کو ساقی بن پیے بہکنا ہے

کیا کہوں میں حالِ دل بس یہی سمجھ لو تم
آندھیوں کے موسم میں شمع کا تھرکنا ہے

تیری بزم میں ساقی آج سب ہوئے سرمست
گر نشانِ مدہوشی جام کا چھلکنا ہے

۱۸ مئی ۲۰۲۳

یارو شبِ دراز اچانک نکھر گئی
چہرے پہ جب وہ زلفِ پریشاں بکھر گئی

مشکل تھے زندگی کے شب و روز تیرے بن
چشمِ کرم ہوئی تو جوانی سنور گئی

مارا طوالتِ شبِ فرقت نے دوستو
جس کا تھا انتظار کہاں وہ سحر گئی

ایسے لگا کہ منزلِ مقصود مل گئی
جب وہ نگاہِ ناز جگر میں اتر گئی

وہ وقت آ گیا کہ نہ خواہش کوئی رہی
وہ آرزو وصال کی جانے کدھر گئی

نظریں بچا کے تیرِ نظر سے بچا لیا
پر کیا ہُوا کہ لذتِ ریشِ جگر گئی

تم ہی کہو کہ کیا کرے وہ زندگی کوئی
جو زندگی تلاشِ سکوں میں گزر گئی

پھرتا رہا سراب میں سالکؔ تمام عمر
تھا آبِ زیرِ کاہ جہاں تک نظر گئی

۲۲ جنوری ۲۰۲۴

یہاں سے اب تعلق یک قلم کر
بے بال و پر ہی پروازِ عدم کر

دیا زہراب پینے کو مجھے جب
کہا میں نے مداوائے الم کر

اے غافل عشق کرنا ہے تجھے گر
تو پہلے ادّعائے ضبطِ غم کر

ہوا ہے حکم جاری شہرِ دل میں
کہ دیوانے سرِ تسلیم خم کر

نہیں نالے میں عاشق کے اثر تو
تلاشِ بلبلانِ شعلہ دم کر

گیا تھا گرمیٔ بازار سن کر
مگر بولے وہ پہلے دام کم کر

یقیں کرنا پڑا وعدہ شکن پر
کہا جب اعتبارِ چشمِ نم کر

جگر پھر سے طلبگارِ جفا ہے
اُٹھا خنجر سزاوارِ ستم کر

۲۱ نومبر ۲۰۲۴

ضائع نہ کرتے زندگی وہ رہ کے یوں محوِ فغاں
اُن کو اگر معلوم ہوتی لذّتِ سوزِ نہاں

جب اُٹھ گئے دیوانے سب تو کیا کوئی بتلائے کیوں
اسرارِ حسن و عشق کو جانا نہیں کوئی یہاں

معلوم ہوتا گر ہمیں قابو میں رکھتے ہم زباں
دیکھا نہیں ہے آپ سا ہم نے کہیں آتش زباں

کیوں راحتِ جاں مانگتے ہم موجبِ آزار سے
تسکینِ دل چاہی کبھی تو غم ہوا آرامِ جاں

افسردگی کا اک سماں چاروں طرف ہی چھا گیا
ہم نے سنایا جب اسے اک قصۂ عشقِ بتاں

دل جو دیا تھا آپ کو دیکھا پڑا ہے خاک میں
شاید نہیں تھی آپ کے سوغات وہ شایانِ شاں

حدِّ گماں پابندِ دیوارِ قفس کیوں ہو کہ ہیں
دشتِ جنوں کے رہرواں ہم کو نہیں قیدِ مکاں

یا تو غرورِ حسن ہے یا وضع داری کا نباہ
سالکؔ کو کیا معلوم وہ رہتے ہیں کیوں دامن کشاں

۴ ستمبر ۲۰۲۴

زخم کا درماں کیا پر زخمِ دل دکھتا رہا
آرزوئے مرگ میں جیتا رہا مرتا رہا

دوست بھی حیران تھے اور مجھ پہ بھی واضح نہیں
آج جانے کیا ہُوا میں دیر تک ہنستا رہا

اک تذبذب میں رہا میں زیست کے ہر موڑ پر
تھی نہیں معلوم منزل پھر بھی میں چلتا رہا

پھر گزاری رات ساری کرب میں اے دوستو
پھر کسی کی یاد سے میں رات بھر لڑتا رہا

مے کشوں میں دم کہاں مدہوش ہوکر گر گئے
اک چراغِ بزم تھا جو صبح تک جلتا رہا

کیا رہے گی آبرو جس دیس کے ایوانوں میں
بولیاں لگتی رہیں اور آدمی بکتا رہا

دیکھنا تو بدنصیبی اِس چمن کی دوستو
باغباں دیکھا کیے اور بوستاں لٹتا رہا

ہاتھ سے میرے قلم تم نے اگر چھینا تو کیا
میں فسانہ زندگی کا خون سے لکھتا رہا

شوق سے آیا تھا سالکؔ شہرِ یاراں میں مگر
یار سب سوتے رہے وہ رات بھر رلتا رہا

۲۳ مئی ۲۰۲۳

زخموں کو انتظار کہ آئے بہار پھر
ہے اضطرابِ عمر کہ ہو دل فگار پھر

بجھنے نہ دینا آج چراغوں کو دوستو
آ کر گزر نہ جائے شبِ انتظار پھر

وہ پھینکتے ہیں تیرِ مژہ بار بار کیوں
کیوں صید کو کرے ہے صنم یوں شکار پھر

سونے دیا نہ آج بھی یادوں نے رات بھر
چھیڑو نہیں مجھے کہ ہے دل بے قرار پھر

کیا پوچھتے ہو آبلہ پایانِ شوق سے
دل چاہتا ہے راہ کوئی خاردار پھر

قدموں کی چاپ سن کے اٹھا تو نہ تھا کوئی
روشن کیا ہے کس نے چراغِ مزار پھر

گر حوصلہ نہیں تھا کہ غم سہہ سکو گے تم
تو کیوں بھلا تمہیں ہی کروں رازدار پھر

۱۹ جولائی ۲۰۲۳

زیست انسان کو جب خوب ستا لیتی ہے
تو اجل زیست سے وہ ہاتھ چھڑا لیتی ہے

شک نہ کر زیست کی ایذار پسندی پہ کہ یہ
دردِ دل دے کے تڑپنے کا مزا لیتی ہے

بارِ خاطر ہو اگر درد کا سہنا جس کو
تو اسے تیغِ اجل چھاتی لگا لیتی ہے

قیدِ تنہائی کا تم خوف دلاتے ہو جسے
وہ تو صحراؤں میں بھی شہر بسا لیتی ہے

مل کے رونے سے سوا ہوتا ہے لطفِ گریہ
رونے کو دل کرے تو شمع جلا لیتی ہے

کیوں نہ دیوانی کہوں اُس کو جو روتے روتے
ہونٹ اک نیم تبسم سے سجا لیتی ہے

اپنے اوپر یہ گراں بار اٹھائے پھرے اور
تھک کے گرتے ہیں تو دامن میں چھپا لیتی ہے

۸ دسمبر ۲۰۲۲

زیست کا مزا کیا ہے پوچھ غم کے ماروں سے
دیکھ تُو خزاں کے رنگ کیا تجھے بہاروں سے

ہوں تلاش میں کب سے ہمسفر کی میں اپنے
آؤ پوچھتے ہیں ان ویراں رہگزاروں سے

مل گیا مگر موقع مے کشوں کو توبہ کا
جانے کیوں ہُوا ناراض ساقی مے گساروں سے

عشق کو کیا رسوا جھوٹ بول کر تم نے
بے جھجک یہ کہہ دو سب مصلحت شکاروں سے

نخلِ آرزو پر پھر گُل بہار کے دیکھے
واسطہ پڑا جب بھی اِن ستم شعاروں سے

رہ گئی خلش دل میں مہرِ خامشی لب پر
گر کبھی ہُوا شکوہ ہم کو دوست یاروں سے

فرق کچھ نہیں پڑتا ساحلِ سمندر کو
پیٹتی ہے سر اپنا موج جب کناروں سے

بے ضرر سمجھتے ہو ناز و غمزہ کو تم کیوں
گردنیں کٹیں کتنی آنکھ کے اشاروں سے

جمع ہیں نقب افگن پھر فصیل کے باہر
تم ذرا نکل دیکھو شہر کے حصاروں سے

زاہدو تمہیں کیوں ہے انتظار محشر کا
رونقِ قیامت تو ہے گناہگاروں سے

۲۵ اکتوبر ۲۰۲۴

ذکر گر روز تمہارا ہوتا
غم بصد شوق گوارا ہوتا

رات ہو جاتی جواں گر اُس نے
زلف سے شب کو سنوارا ہوتا

ساتھ یادیں نہ تری ہوتیں تو
کس طرح اپنا گزارا ہوتا

ٹوٹ جاتا بتِ پندار اگر
آنکھ کا ایک اشارہ ہوتا

سوچتا ہے یہ گنہ گار کہ کاش
بحرِ عصیاں کا کنارہ ہوتا

زندگی میری سنور سکتی تھی
گر ملا ساتھ تمہارا ہوتا

آرزو کرتے نہ مرنے کی ہم
گر غمِ زیست کا چارہ ہوتا

۳مارچ ۲۰۲۴

زندگانی سانس کی لے پر تھرکتی کب تلک
ڈوبتی کشتی سمندر میں ابھرتی کب تلک

رہ گزر روشن رہی طوفان کے آنے تلک
آتشِ لمعہ فگن لیکن بھڑکتی کب تلک

زیست نے پوچھا مجھے کیوں مسکرایا وقتِ مرگ
تو کہا امیدِ فردا پر گزرتی کب تلک

تھے سراپا چشم ہم حسرت لیے دیدار کی
پر نگاہِ شوق جلوے کو ترستی کب تلک

جب نہ آیا اشک شوئی کو کوئی تو بجھ گئی
شمعِ تربت دوستو آخر پگھلتی کب تلک

جھوٹ کب قائم رہا ہے دیر تک یارو بھلا
گلشنِ شدّاد میں خوشبو مہکتی کب تلک

اک گرسنہ آرزو گھٹ گھٹ کے خود ہی مرگئی
آتشِ غم میں شبِ ہجراں سسکتی کب تلک

۲۰/اکتوبر ۲۰۲۳

ظلمتِ رنج جب بڑھی دل کے دیے جلا دیے
نوحۂ غم سنا اگر سیلِ رواں بہا دیے

سیرِ چمن کو جب گئے غنچۂ ناشگفتہ نے
حلقۂ دام وا کیے گویا کہ مسکرا دیے

پرسشِ حال کے لیے ملنے گیا میں آج تو
میری غزل کے شعر کچھ جھوم کے گنگنا دیے

راہ گزارِ دل میں ہم راہ نشیں ہوئے مگر
پھر وہ چراغِ رہ گزر شام پڑے بجھا دیے

کوئی خبر کرے انہیں ٹوٹ رہے ہیں سانس اب
آج متاعِ زیست سے قرض سبھی چکا دیے

منزلِ شوق ہو کہیں دیدۂ شوق اب نہیں
ہم نے دیارِ عشق کے راہ گزر بھلا دیے

دشت و دمن میں اک قدم کوہ و دمن میں دوسرا
راہِ وفا میں ہر جگہ داغِ کہن سجا دیے

کھول دیا درِ قفس دیکھ کے حسرتِ نگاہ
تھے جو طیور زیرِ دام آج سبھی اڑا دیے

بود و عدم کا افتراق بیش نہیں ہے یک نفس
ہم نے پلک جھپکتے ہی فاصلے سب مٹا دیے

۲۵ جنوری ۲۰۲۲